اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیمًا

اے بی سی آڈٹ بیوروسرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر.................50
شمارہ نمبر 01
ذی الحجہ،محرم......۳۶،۱۴۳۵ھ
اکتوبر ۲۰۱۴ء

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی

اس شمارے کے مضامین

- نقش آغاز: ماہنامہ الحق کی مسلسل اشاعت کے پچاس برس ....مولانا راشد الحق سمیع ۲
- عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات......مولانا حافظ عرفان الحق حقانی ۴
- ماہ محرم کی اہمیت و فضیلت اور شہادت حسینؓ ......حضرت مولانا حافظ انوار الحق ۱۵
- چند اوراقِ کتب چند بزرگوں کے خطوط..............جناب فصیح الدین ۲۲
- استحکام پاکستان کیلئے مذہب کا کردار..............................پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان ۳۳
- دار المصنفین میں سید سلیمان ندوی کا اہم کردار..............................محترمہ نغمہ پروین ۳۷
- محرم الحرام کا مہینہ (شرعی حیثیت، احکامات، سوگ کا حکم، شادی کا حکم)......مفتی محمد راشد ڈسکوی ۴۵
- فضلائے حقانیہ کی تالیفی اور تصنیفی خدمات ....مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی ۵۶
- دار العلوم کے شب و روز..............................مولانا حامد الحق حقانی ۵۸
- تعارف و تبصرہ کتب ....ادارہ ۶۱

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔
فون نمبر: 630435- 923 92+
فیکس نمبر: 630922- 923 92+
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/30 روپے۔ سالانہ -/350 روپے۔ بیرون ملک 35$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق، مہتمم جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ منظور عام پریس پشاور۔
کمپوزنگ: بابر حنیف

590
ذی الحجہ،محرم ۳۶،۱۴۳۵ھ
اکتوبر 2014ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز | راشد الحق سمیع

ماہنامہ الحق کی مسلسل اشاعت کے پچاس برس

اہداف، خدمات اور نتائج

الحمدللہ ماہنامہ ''الحق'' نے اپنی زندگی کے پچاس سالہ طویل سفرِ علم و آگہی بڑی کامیابی اور استقامت کے ساتھ طے کرلیا ہے اور آج اس شمع حق کی ضیاء باریوں سے ایک عالم روشن اور ایک جہاں فیض یاب ہورہا ہے۔یهدی الله لنوره من یشاء اسی نعمت کبریٰ پر ہم خداوند کے حضور جتنا بھی اظہار تشکر و امتنان کریں تو یہ کم ہوگا۔اس کی ابتداء کے وقت دارالعلوم حقانیہ، حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اور اس کے بانی حضرت والد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے جن مقاصد اور اہداف کا تعین کیا تھا وہ اہداف واغراض الحمدللہ بہ تائید ایزدی قارئین ''الحق'' اور اس کے لکھنے والوں کے پیہم، تعاون کے نتیجے میں اکثر حاصل ہوئے ہیں۔ماہنامہ ''الحق'' ابتداء سفر میں صرف ایک نشانِ منزل اور ادب ودانش اور فکر وشعور کا فقط ایک استعارہ تھا اب مقام شکر ہے کہ وہ خود ایک منزلِ مراد منزلِ مقصود اور ایک مکمل مکتبِ فکر کا روپ دھار چکا ہے۔الحمدللہ

ادارہ کی نصف صدی کی خدمات آج آسمان علم وصحافت پر شمس تاباں کی صورت میں ضوفشاں ہیں۔پاکستان و ہندوستان سمیت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے قارئین اور خصوصاً اس کے لکھنے والے حضرات کا تعاون نہ صرف ہمارے لئے زادِ سفر بلکہ مشعلِ راہ بھی ثابت ہوا، آج سے پچاس برس قبل بے سروسامانی اور صوبہ خیبر پختونخوا کے دور افتادہ چھوٹے سے پٹھانوں کے گاؤں سے زبان اردو کے مجلّے کا اجراء بظاہر تو جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔لیکن یہ دارالعلوم حقانیہ کی کرامت حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کی شبانہ روز دعائیں واخلاص اور حضرت مولانا سمیع الحق والد مدظلہ کا عزم صمیم اور علم و ادب اور زبان اردو سے خصوصی ذوق وشوق ہی تھا جو انہوں نے اس وادی پُرخار کو نہ صرف کامیابی کے ساتھ طے کیا بلکہ دنیا بھر میں اس کا لوہا بھی منوایا۔حالانکہ اُس وقت ہندوستان کی مسندِ علم وعرفان اور شعروادب کی بزم اپنے وقت کے قدآور ادیبوں، محققوں، صحافیوں اور بڑے بڑے رسائل وجرائد سے جگمگا رہی تھی۔ایسے حالات میں اکوڑہ خٹک کی یہ ناتواں آواز نہ صرف کامیابی سے ابھری

بلکہ اپنے وقت کے تمام اکابرین نے اسے عصر حاضر کی اذانِ حق قرار دیا۔ ایک ایسی روح پرور بلالی اذاں جس نے ہمیشہ کفر وضلال کے بت کدوں اور ظالم و نااہل حکمرانوں کے ایوانوں میں صدائے حق کو نہ صرف بلند کیا بلکہ انہیں پیہم اپنی لطمہ ہائے حق کی بناء پر لرزائے رکھا، گوکہ اس راہ میں کئی مشکلات اور مصائب کی رکاوٹوں نے قدم بہ قدم پیراہن استقامت کو تار تار کرنے کی کوششیں کیں لیکن خداوند قدوس کی رحمتوں اور نوازشوں کے طفیل ہر رکاوٹ اور ہر مصیبت خود ہی دور ہوکر فناء ہوگئی۔ اور آج بھی یہ مشعل حق اپنا فریضہ کلمہ حق حسب سابق اور حسب روایت نبھا رہی ہے۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اور ہم پرورش لوح وقلم کرتے رہیں گے جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

ماہنامہ ''الحق'' ہمیشہ سے مختلف الجہات ، موضوعات اور مقالات ومضامین کی اشاعت کو ترجیح دیتا رہا۔ قرآن' تفاسیر' احادیث اور سنت نبوی ﷺ کی تشریحات ، اسلام کی دعوت وتوحید' امر بالمعروف ونہی عن المنکر ، حضور اقدس ﷺ کی سیرت مقدسہ اور فرق باطلہ کا تعاقب اس کے بنیادی ستون رہے۔ اس کے علاوہ خود کو کسی خاص ایک موضوع یا خاص حلقے یا مسلک تک محدود نہ رکھا بلکہ اسکے ہمہ گیر موضوعات، عالمگیر مقالات' سیاسی تجزیئے' علمی مضامین اور خصوصاً علم وتحقیق اور عصر حاضر کے جدید مسائل اور سائنسی تحقیقات وایجادات اس کی خصوصی دلچسپی کا باعث رہے۔ اسی خصوصیت کی بناء پر ہر مسلک اور ہر مکتب فکر نے ماہنامہ ''الحق'' کے صفحات کو اپنے رشحات قلم ، پاکیزہ افکار و خیالات سے ہمیشہ مزین فرمایا اور اپنی نگارشات کی اشاعت کیلئے اسے ایک بہترین پلیٹ فارم سمجھا۔ چنانچہ کافی عرصہ سے علمی حلقوں کی یہ خواہش تھی کہ ماہنامہ ''الحق'' کی پچاس سالہ خدمات پر ایک مفصل ضخیم اور تحقیقی خصوصی نمبر شائع کرنا چاہیے، جیسے کہ ناکارہ راقم الحروف نے دارالعلوم حقانیہ کی پچاس سالہ خدمات پر ''الحق'' کا خصوصی شمارہ اور اسی طرح پاکستان کے پچاس سالہ گولڈن جوبلی نمبر، عالم اسلام اور اکیسویں صدی کے چیلنجز نمبر وغیرہ شائع کئے تھے، تو اب خود ماہنامہ ''الحق'' کی پچاس سالہ خدمات بھی علمی ، ادبی ، صحافتی حلقوں کے سامنے آنی چاہیے۔ گوکہ ایک لحاظ سے بظاہر یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن تحدیثِ نعمت اور متلاشیانِ علم وحق کے استفادہ واظہار کے لئے اس زیرغور تجویز کو قارئین الحق اور علمی حلقوں کے سامنے ہم رکھ رہے ہیں۔ اگر حسب سابق لکھنے والوں نے تعاون کیا تو ضرور اس تجویز اور علمی خدمت کے لئے سنجیدہ کوشش کی جاسکتی ہے۔ اس نمبر کی اشاعت کے سلسلے میں قارئین کی موقر تجاویز کا انتظار رہے گا۔ **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل**

قسط (۳۲) مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی*

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

(۱۹۶۵ء کی ڈائری)

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزّہ و اقارب' اہل محلّہ و گردوپیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے ۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ' تحقیقی عبارت' علمی لطیفہ' مطلب خیز شعر' ادبی نکتہ' اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔ اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوقِ مطالعہ استفادہ کرسکیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں...... (مرتب)

قاہرہ میں طیارہ کو حادثہ:
حافظ ادریس طورو اور ابوصالح اصلاحی وغیرہ کی شہادت۔

۲۰ رمئی ۱۹۶۵ء: لندن جانے والے پی آئی اے کے طیارہ کو قاہرہ کے قریب تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۲۱ افراد شہید ہوئے۔ جنرل ضیاء الدین ۔مولانا حافظ ادریس طورو، ابوصالح اصلاحی ممتاز صحافی اور دیگر سرکردہ اہم شخصیتیں ہلاک۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پاکستان کو عظیم سانحہ کا سامنا کرنا پڑا۔ جہانگیرہ اسٹیشن پر مولوی اشراف الدین کے والد صاحب کو حج سے واپسی پر خوش آمدید کرنے گیا۔ مولانا عبدالحلیم صاحب اوڈیگرام کی زیارت بھی ہوئی' جو حج سے واپس ہوئے تھے۔

۲۰ رمئی: ایکسیئن مصنف شاہ سے دارالعلوم میں بات چیت ہوئی (افسوس کہ) وہ پرویزی خیالات کا آدمی ہے۔☆ شیخ مصطفیٰ السباعی کے مضمون رحلۃ الی اللہ ورسولہ کا ترجمہ کرتا رہا۔

۲۱/مئی: ملک بھر میں ہوائی حادثہ کے مرحومین کا سوگ۔

☆ والدصاحب کی تقریر جمعہ نوٹ کی۔ ☆ آج شدید بادوباران کا سلسلہ رہا۔

۳۱/مئی: برادرم نثاراحمد (ہم زلف) دال ورائس فیکٹری پشاور کی گھر آمد ہوئی۔

حضرت درخواستی سے اٹک میں تفصیلی ملاقات:

جون کے آخری ہفتہ میں کیمپل پور گیا، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب، مولانا قاضی زاہدالحسینی کی دعوت پر تشریف لائے۔ تفصیلی ملاقات ہوئی، رات کو تین گھنٹے تقریر سنی۔ حضرت نے مجلس میں مفتی صاحب (مولانا محمد یوسف بونیری) کی مخالفانہ کتاب پر سخت افسوس ظاہر کیا۔ ہمیں احسن سلوک کی نصیحت کی اور دارالعلوم کی حفاظت کی دعائیں کیں۔ دوسرے دن ریل کار سے واپسی ہوئی۔

خادم خاص حضرت مدنی مولانا قاری اصغرعلی کی رحلت:

کیمبلپور میں ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ مولانا قاری اصغرعلی صاحب دیوبندی خادم خاص حضرت مدنی قدس سرہ انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۵/جون: دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے۔

علامہ بشیرالابراہیمی الجزائری کی وفات:

۶/جون: اخبار نے طلاع دی ہے کہ عالم اسلام کے مجاہد اور الجزائر کے جید عالم علامہ شیخ بشیرالابراہی صدر جمعیۃ اسلامی الجزائر انتقال فرما گئے ہیں۔ مرحوم ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ کو والد صاحب کی دعوت پر اکوڑہ خٹک آئے تھے، او رمسجد میں ایک عظیم جلسہ سے خطاب فرمایا تھا ان کے ساتھ دوسرے خطیب شیخ احمد بودہ تھے۔

۷/جون: ماموں زادعبیدالرحمٰن سکنہ جہانگیرہ کا دوسرا فرزند مطیع الرحمٰن پیدا ہوا۔

۱۱/جون: خطبہ جمعہ والدصاحب نوٹ کیا

مولانا عبیداللہ انور سے اسٹیشن پر ملاقات اور استقبال:

۱۲/جون: مولانا عبیداللہ انور صاحب سے اکوڑہ اسٹیشن پر ملاقات کی آپ پشاور جارہے تھے، انکی معیت میں نوشہرہ تک میں بھی ساتھ گیا پھر چناب سے واپس ہوا، والدصاحب نے بھی اسٹیشن پر انکا استقبال کیا۔ (نوٹ) یادرہے کہ مولانا عبیداللہ انور صاحب حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد تھے لیکن علم اورعلماء کی قدر

دانی کے سلسلہ میں وہ عمر اور رشتہ کسی چیز کو درخور اعتنا نہ لاتے۔

مولانا غورغشتوی مدظلہ کی ملاقات:

۱۳ر جون: رفیق احمد صاحب اور سیر ڈھیری جولگرام آئے، ان کے ساتھ کار میں غورغشتی جانا ہوا۔ شیخ الحدیث غورغشتوی مدظلہ سے ملاقات ہوئی اور ان کی صحت کے بارے میں مختصر گفتگو کی۔ حضرت نے دعائیں دیں، تھوڑی دیر بعد رخصت ہو کر ایک بجے واپس گھر پہونچا۔

☆ شام کو بس سے پشاور جانا ہوا۔ رات دس بجے مسجد قاسم علی خان گیا۔ مولانا عبیداللہ انور سے ملاقات کی، رات ان کے ساتھ اکٹھے رہے، مولانا نے گیارہ بجے درس قرآن کا افتتاح کیا۔

۱۴ر جون: صبح دعوت چائے میں مولانا عبیداللہ انور کے ساتھ پشاور کے محمد یونس صاحب کے ہاں شریک ہوا۔ ایک بجے قاری سعید الرحمٰن اپنے احباب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کوہ نور ملز راولپنڈی ومشتاق صاحب عثمانیہ یونیورسٹی کے ساتھ آئے۔ ان کے ساتھ کار میں یونیورسٹی جانا ہوا۔ موخر الذکر کے داخلہ کے سلسلہ میں میجر جنرل اکرم صاحب سے ملاقات کی پھر مختلف عمارتوں کی سیر کی، ۳ بجے وہاں سے ورسک جانا ہوا۔ ورسک کالونی میں سکوارڈن کمانڈر ایم اے آصف صاحب کے ہاں دو گھنٹے ٹھہرے، انہوں نے چائے وغیرہ سے تواضع کی۔ وہاں سے پشاور ہوتے ہوئے ۹ بجے رات گھر واپس ہوئے۔ لیڈی ریڈنگ میں نوروز خان کی عیادت بھی کی۔

۲۴ر جون: بعد از عصر تورڈھیر ایک تبلیغی جلسہ میں جانا ہوا، رات کو روح کے تزکیہ اور جسم کے ساتھ ساتھ روح کی طرف توجہ دینے کے موضوع پر تقریر ہوئی۔

۲۵ر جون: صبح میاں عبدالرشید صاحب کے ہاں ان کے والد صاحب جناب صوفی میاں عبدالقدیر صاحب متوفی پھیلی بھت (انڈیا) کی تعزیت کی۔ تورڈھیر سے نو بجے واپس ہوئے۔

مولانا عبداللہ کاکاخیل کی مدینہ شریف سے واپسی اور ان کے ہمراہ اسلام آباد تا پشاور اولین ہوائی سفر:

۲۶ر جون: راولپنڈی سے برادرم سعید نے خط کے ذریعہ برادرم عبداللہ کاکاخیل کے کراچی پہنچنے اور بروز اتوار راولپنڈی بذریعہ طیارہ پہنچنے کی اطلاع دی۔ اس کے ساتھ ہی برادرم عبداللہ کا خط بھی مدینہ سے موصول ہوا۔ استقبال کیلئے میں اور مولانا شیر علی شاہ راولپنڈی روانہ ہوئے۔ ۶ بجے پہنچے۔ رات اسلام آباد ٹھہرا، صبح فاروقی صاحب کے ساتھ میں واپس ہوا۔

۲۷رجون: ساڑھے آٹھ بجے چکلالہ ہوائی اڈہ پہنچے۔ ۸:۵۵ پر جہاز پہنچا۔ برادرم عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ ارادہ ہمارا بھی ساتھ پشاور تک سفر کا تھا، میں اور دونوں ساتھی ساڑھے نو بجے جہاز میں سوار ہوئے یہ طیارہ بہت بڑا وسیع اور شاندار تھا' زندگی میں پہلی بار مجھے ہوائی سفر کا اتفاق ہوا۔ الحمدللہ کچھ گھبراہٹ نہیں ہوئی۔ ۲۵ منٹ بعد جہاز پشاور اترا۔ ہوائی اڈہ سے کار میں بس تک آئے۔ اور دو بجے عبداللہ کو زیارت رخصت کر کے اکوڑہ واپس ہوئے۔

شام کو پشاور سے حاجی نور محمد (برادر نسبتی سالہ) کی چھوٹی بچی کے فوت ہونے کا فون پر بتایا گیا۔ والد صاحب کے ہمراہ برائے تعزیت گئے۔

۲۸رجون: صبح چناب سے بچوں کے ساتھ برائے تعزیت پشاور جانا پڑا۔ واپسی پھر شام کو چناب سے ہوئی۔ بعد از شام بحمدللہ گھر پہنچا۔

☆   جہانگیر آباد میں محمد لطیف ولد محمد ادریس مرحوم (والد ماجد کے خالہ زاد بھائی) کی شادی میں اکثر عزیزوں نے شرکت کی۔ گھر سے محمود الحق، انوارالحق اور چچا (نورالحق صاحب) کے گھر سے سب افراد نے شرکت کی۔

اجلاس مرکزی شوریٰ جمعیۃ علماء اسلام میں شرکت:

۹رجولائی: پشاور سے جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے بذریعہ چناب سرگودھا روانگی کی۔

۱۰رجولائی: صبح ساڑھے نو بجے سرگودھا پہنچا۔ مدرسہ جامع مسجد ہوتے ہوئے مقام انبالہ مسلم ہائی سکول گیا۔ اکثر اکابر جمعیۃ موجود تھے۔ میٹنگ میں جمعیۃ کی توسیع واصلاح، عائلی قوانین اور خارجی پالیسی وغیرہ امور پر بحث رہی۔ شام کو حکیم عبدالرزاق سے ملا۔ رات کو حکیم صاحب کی دعوت میں شرکت کی۔

بعد از عشاء مفتی محمود صاحب کی معیت میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا درخواستی صاحب کی تقاریر سنیں۔ سیرت کانفرنس کمیٹی باغ میں شرکت کی۔

۱۱رجولائی: صبح سات بجے پسنجر سے لالہ موسیٰ اور لالہ موسیٰ سے عوامی ایکسپریس کے ذریعہ پنڈی واپسی کی۔ رات پنڈی میں ٹھہرا مرکزی جامع مسجد حنفیہ میں قاضی فیض الحسن کی تقریر کچھ دیر تک سننے کا موقع ملا۔ مولانا قاری محمد امین صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔

۲۴رجولائی: برادرم عبداللہ کے ساتھ جہانگیرہ مولانا لطف اللہ تلمیذ (حضرت مولانا انور شاہ کشمیری)

سے ملنے گیا، بعد از عصر واپس ہوئے۔ بعد از ظہر پنڈی سے برادرم سعید الرحمٰن مولانا طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی اور مولانا ابراہیم محمد میاں جوہانسبرگ (افریقہ والے) سوات جاتے ہوئے دارالعلوم تشریف لائے۔

والد ماجد کے مساعی سے ختنہ کے موقع پر رسوم ختم کرنے کی تحریک:

۲۵/جولائی: بعد از ظہر والد صاحب کی معیت میں کار سے یار حسین جانا ہوا۔ مردان میں عصر کی نماز پڑھی۔ شام کو یار حسین پہنچے۔ رات کو مولانا عبدالحنان میاں صاحب فاضل حقانیہ کے برخوردار کے ختنہ کی تقریب میں والد صاحب نے وعظ و نصیحت کی۔ جس میں رسوم ورواج سے اجتناب اور شادی و غمی میں بدعات سے احتراز پر زور دیا۔ بالخصوص ختنہ میں جسے پشتو میں سنت کہا جاتا ہے، کے موقع پر رنگ رلیاں اور دھوم دھڑکوں کو سخت قابل ملامت قرار دیا اور فرمایا کہ سنت کا اطلاق ایسے فواحش پر ہونا قابل صد افسوس ہے کہا کہ اگر کوئی غیر مسلم یہودی سکھ ہندو آپ سے پوچھے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے تو آپ اسے جواب میں سنت کہیں گے۔

صبح بعد از نماز فجر محلّہ کے اکثر لوگوں نے مسجد میں اپنے بچوں کو ختنہ کرایا۔ تقریباً ۶۰۔۷۰ بچوں کے ختنے ہوئے۔ احیاء سنت کا عجیب نظارہ تھا۔ سوا نو بجے یار حسین سے واپس ہوئے۔

۳۱ جولائی: الذهاب الى الكلية الاسلامية للقاء الشيخ محمد اشرف ولكن مازرته لسفره الى رائے ونڈ

حضرت والد ماجد کا سفر کراچی اور مجلس دعوت و اصلاح کا قیام:

۲۴۔اگست کو شیخ الحدیث صاحب کراچی پہنچے۔ جہاں بہت سارے شاگردوں اور احباب وغیرہ نے سٹیشن پر استقبال کیا۔

۲۵۔۲۶/اگست کو کراچی میں پاکستان کے ممتاز اور مشاہیر علماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کی دعوت پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ ۲۵۔۲۶ اگست کو میٹنگ میں شمولیت فرمائی۔

۲۷ اگست: بروز جمعہ نماز جمعہ سے قبل حضرت مولانا بنوری مدظلہ کی خواہش پر جامع مسجد نیوٹاؤن میں خطاب فرمایا۔ بعد از جمعہ حاجی فریدالدین کی طرف سے منعقدہ ایک تعزیتی تقریب میں شرکت اور تقریر فرمائی۔

اس میٹنگ میں ایک تنظیم بنانے کا فیصلہ ہوا جو مختلف مکاتب فکر کے علماء کو منظّم کرے گی تاکہ اسلامی

تعلیمات کی تشہیر کے لئے پوری طرح جدوجہداوران غیراسلامی اوریورپی اثرات کا خاتمہ کیا جاسکے جو معاشرے میں سرایت کرگئے ہیں۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کے ان متجددین کی محرّفانہ اورلادینی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کرے گی جو اسلامی تحقیق و ریسرچ کے نام پر اسلام کے قطعی اور واجب التسلیم مسائل کی غلط تعبیر وتشریح اورمن مانی تاویلات وتعبیرات سے مسلمانوں کی دینی اقدار سے گمراہی اور ملت کے انتشار کے ذریعہ بن رہے ہیں۔ اس تنظیم کا نام مجلس دعوت و اصلاح ہوگا۔ یہ خالص اصلاحی علمی اورتبلیغی تنظیم ہوگی جس کے صدر مولانا مفتی محمد شفیع اورناظم مولانا یوسف بنوری مقرر ہوئے اورسات افراد پر مشتمل ایک مجلس عاملہ مقرر کی گئی ۔جس میں صدر اور ناظم مجلس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ بھی شامل ہیں۔

۲۹ اگست: ۲۹ اگست کو بخیروعافیت دارالعلوم واپس پہنچے۔

۳۱ اگست: رات کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے مدرسہ حنفیہ عثمانیہ (محلّہ ورکشاپی) راولپنڈی کے سالانہ جلسہ دستار بندی کی صدارت فرمائی۔جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے بھی شرکت فرمائی۔

یکم ستمبر: رات کو نوشہرہ کے جلسہ سیرت میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے خطاب کے بعد آپ نے جہاد پر مختصر خطاب فرمایا اورمجاہدین کشمیروافواج پاکستان کی کامیابی کیلئے دعا کی۔

مولانا احتشام الحق تھانوی کی دارالعلوم آمد:

یکم ستمبر بمطابق ۴/ جمادی الاولی کو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کی دارالعلوم حقانیہ میں آمد ہوئی۔ دارالعلوم سے باہر حضرت والد صاحب ،اساتذہ اراکین مدرسہ اورطلبہ نے ان کا خیرمقدم کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک مختصر استقبالیہ تقریب میں ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔حضرت مولانا تھانوی نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دارالتدریس، دفتر، کتب خانہ، دارالاقامہ، جامع مسجد، مطبخ وغیرہ کا معائنہ فرما کر از حد مسرت کا اظہار فرمایا۔

شیخ الحدیث کا جہاد ۶۵ء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب اورطلبہ دارالعلوم کا جوش وخروش

۴ ستمبر: بعداز نماز عشاء جامع مسجد اکوڑہ خٹک میں جہاد کشمیر کے بارہ میں ٹاؤن کمیٹی کے زیراہتمام ایک عظیم جلسہ زیرصدارت حضرت شیخ الحدیث صاحب منعقد ہوا۔جس میں انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں مسئلہ جہاد کی اہمیت اورضرورت پر مدلل تقریر کی جلسہ میں پاکستانی افواج اورمجاہدین کے ساتھ ہر

قسم کی مالی اور جانی امداد کی پیشکش کی گئی۔ مجاہد فورس کیلئے دارالعلوم حقانیہ کے طلباء نے بڑھ چڑھ کر اپنا نام پیش کیا اور جہاد فنڈ میں مالی امداد دینے میں بھی طلبہ نے بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ مولانا شیر علی شاہ، جناب غلام علی شاہ اور میر حسن شاہ نے بھی اس موقع پر تقاریر کیں۔

☆ نوشہرہ کاتب سے ملنے گیا بسلسلہ الحق

۶ رستمبر: لاہور کے گرد ونواح پر بھارتی طیاروں کا حملہ۔ جنگ زوروں پر شروع ہوگئی۔ دوٹرینوں پر بھی بھارتی فضائیہ نے حملہ کیا۔

۷ رستمبر: راولپنڈی۔ سرگودھا۔ کراچی۔ ڈھاکہ۔ چاٹگام وغیرہ پر بھارتی فضائیہ کے حملے پاکستان نے جوابی حملے بھارت کے کئی علاقوں پر کیئے۔

جمعہ ۱۰۔ستمبر: والد صاحب کی جہاد پر تقریر۔ جنگ زوروں پر ہے۔ **اللھم انصر الاسلام والمسلمین نصر من الله وفتح قریب۔**

۲۳ ستمبر: پشاور بسلسلہ طباعت الحق جانا ہوا۔

۲۵ ستمبر: الحق کا پہلا شمارہ بفضل حق تعالیٰ شائع ہوگیا۔ **وللّٰہ الحمد اللھم انا نسئلك القبول والخلوص**

حقانیہ کی مجلس شوری کا سالانہ اجلاس، بجٹ، تعلیمی کارکردگی اور آئندہ کے عزائم:

۳۔اکتوبر: دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس (درباره منظوری سالانہ میزانیہ) ۳۔اکتوبر بروز اتوار کو دارالحدیث میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی (راولپنڈی) نے فرمائی۔ مولانا قاری محمد امین صاحب خطیب جامع مسجد ورکشاپی (راولپنڈی) کی تلاوتِ کلام پاک کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی سالانہ کارگزاری اور حسابات آمد وخرچ پر مشتمل رپورٹ ارکان شوریٰ کے سامنے پیش کی اور سال گزشتہ کے میزانیہ کی تفصیلات اور اس کی روشنی میں سال رواں ۸۵ھ کیلئے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار دوسو پچاسی روپے کا میزانیہ پیش کیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ پچھلے سال ۸۴ھ میں دارالعلوم کو مختلف مدات سے ایک لاکھ پچیس ہزار سات سواڑسٹھ روپے چوہتر پیسے کی آمدنی ہوئی اور بانوے ہزار دوسو روپے نوے پیسے تعلیمی شعبہ اور چھبیس ہزار تین سو بانوے روپے بیالیس پیسے تعمیری شعبہ (فرش مسجد۔ دارالاقامۃ دارالمدرسین وغیرہ) پر خرچ ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ۳۰ ذی الحجہ ۸۴ کو دارالعلوم کی تحویل میں موجودہ رقم کی رو سے منظور شدہ نئے بجٹ میں ترتالیس ہزار دوسو

انتیس روپے ننانوے پیسے کا خسارہ رہے گا۔ (حضرت شیخ الحدیث نے بجٹ کی ایک ایک مد کے اخراجات کی کمی وبیشی واضح کی اور تفصیلی حسابات کو پیش کیا۔) تعلیمی شعبہ کی کارگزاری پیش کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب نے واضح کیا کہ پچھلے سال شعبہ پرائمری مدرسہ تعلیم القرآن میں پانچویں کلاس کا اضافہ کیا گیا۔ اورآئندہ ان شاء اللہ ہر سال اس میں ایک جماعت کا اضافہ ہوتا رہے گا تا کہ قوم کے بچے ہائی تک عصری تعلیم کے ساتھ کافی حدتک دینی علوم سے آراستہ ہوسکیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس شعبہ کی چار کلاسیں جو چھ سیکشنوں پر مشتمل ہیں نئی عمارت میں منتقل ہوچکی ہیں۔ اور بقیہ دو کلاسیں اول وادنیٰ کے لئے نئی عمارت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مستقل عمارت کا انتظام کیا جارہا ہے۔ شعبہ عربی دارالعلوم میں ۳۸۹ طلبہ داخل ہوئے اور ۲۶۹ سالانہ امتحانات میں شریک ہوئے۔ جن میں ستر طلبہ نے وفاق المدارس کی زیرنگرانی سالانہ امتحانات دے کر مجموعی لحاظ سے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ شعبہ قرات واردو خط و کتابت میں بھی کافی طلبہ شریک ہوئے۔ آئندہ ضروریات اور منصوبوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ اس وقت مسجد اور دارالاقامہ کی تکمیل اور مدرسہ تعلیم القرآن کی عمارت میں توسیع وغیرہ کی اہم ضروریات درپیش ہیں جن پر لاکھوں روپے لاگت کا تخمینہ ہے۔ جس کیلئے حضرت مہتمم صاحب نے اراکین اور دیگر معاونین کی توجہ دلائی۔ بجٹ پیش ہونے کے بعد اراکین نے حسابات آمد وخرچ اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی رفتار ترقی پر مسرت واطمینان کا اظہار کیا۔ غوروخوض کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بامید آمدنی نئے میزانیہ کی منظوری دی۔ حضرت مہتمم نے بجٹ کے آخر میں دارالعلوم سے علمی مجلّہ ماہنامہ ''الحق'' کے اجراء کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔ مجلس شوریٰ نے اجراء رسالہ کا گرمجوشی سے خیرمقدم کرتے ہوئے اس کی منظوری دی۔ اس کے علاوہ ملک کے ہنگامی حالات کی وجہ سے مجلس شوری نے دارالعلوم کے اجلاس دستار بندی جس کیلئے ۲۳۔۲۴ اکتوبر کی تاریخیں مقرر کی گئیں تھیں کے التوا کا فیصلہ کیا۔ مجلس شوریٰ نے پاکستان کی مجاہد افواج اور اولوالعزم مجاہدین کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور ملک وملت کی راہ میں قربانی دینے والے شہداء کیلئے دعائے مغفرت کی۔

مجلس شوریٰ میں شرکت کرنے والے حضرات کے نام یہ ہیں: مولانا عبدالحنان ہزاروی، راولپنڈی۔ مولانا مسرت شاہ کاکاخیل، مولانا عبدالحنان، جہانگیرہ۔ مولانا قاری محمد امین، راولپنڈی۔ الحاج میاں محمد اکرم شاہ کاکاخیل، الحاج میاں غلام سرور شاہ کاکاخیل، جناب شیر افضل خان، بدرشی۔ جناب الحاج محمد اعظم خان، اکوڑہ۔ جناب خان محمد اسلم خان، آدمزئی۔ جناب الحاج عطا محمد خان، پشاور۔

جناب میاں میراحد گل ،چشتی۔جناب غوث محمد خان ،آ دمزئی۔جناب الحاج عبدالعزیز ،رائل ہوٹل مردان۔مولانا حکیم جمیل احمد ،مردان۔ جناب سید یعقوب شاہ بادشاہ،مردان۔جناب الحاج سیف الرحمٰن، جہانگیرہ۔ جناب مولانا شاہ سید،زڑہ میانہ۔ جناب الحاج ڈاکٹر صاحب شاہ،تورڈھیر۔ جناب سیکرٹری ٹاؤن کمیٹی،اکوڑہ۔ جناب مستقر صاحب،پبی۔جناب حکیم رفیع الدین،نوشہرہ۔ مولانا مصطفیٰ، مانکی۔مقامی مجلس منتظمہ۔

وفاق کا اجلاس عہدیداروں کا انتخاب،والدصاحب کا نائب صدر منتخب ہونا:

۸۔اکتوبر: حضرت والد صاحب مدظلہ بروز جمعہ ۸۔اکتوبر ملتان تشریف لے گئے جہاں آپ نے بروز ہفتہ وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ اور بروز اتوار مجلس شوریٰ کے جلسوں میں شمولیت کی اور ۱۱۔اکتوبر کو واپس تشریف لائے۔ان جلسوں میں ملک بھر کے مدارس عربیہ کے ممتاز علماء نے شرکت کی۔مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کی مجالس میں مدارس عربیہ کی تنظیم وفاق المدارس کے استحکام اور اسے مزید جاندار اور منظم بنانے کے لئے مفید تجاویز زیرغور لائی گئیں اور مدارس عربیہ کا تعلیمی و انتظامی معیار اور طلبہ کی علمی صلاحیت و استعداد بڑھانے کے بارے میں غوروخوض کیا گیا۔ نیز آئندہ تین سال کیلئے وفاق المدارس کے لئے حسب ذیل عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔صدر:حضرت مولانا خیر محمد صاحب' خیرالمدارس ملتان۔ نائب صدر: حضرت مولانا عبدالحق صاحب،دارالعلوم حقانیہ۔ نائب صدر: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، نیو ٹاؤن کراچی ۔جنرل سیکرٹری: حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، قاسم العلوم ملتان۔ناظم: حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب،منٹگمری۔

۲۴۔اکتوبر: پشاور بغرض شرکت میٹنگ عمومی جمعیۃ علماء اسلام جانا ہوا۔

مکتوب مدینہ،سعودی عرب بھر میں پاکستانی کی کامیابی کے لئے دعائیں:

مولانا عبداللہ کاکاخیل کا خط ملا جو الحق شمارہ ۲ نومبر ۱۹۶۵ء میں شامل کیا گیا (جو کہ نذر قارئین ہے)

......اسی مناسبت سے ہندو پاکستان کی لڑائی کے بارے میں یہاں کے عوام کے تاثرات کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔یہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ پاکستان پر ہندوستان کے وحشیانہ حملے کے بعد اب یہاں کے لوگوں میں ہندوستان کے خلاف انتہائی غم و غصہ اورشدید نفرت کے جذبات پائے جارہے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ ان کی ہمدردیوں میں اوراضافہ ہوگیا ہے۔مسجد حرام، مسجد نبوی اور ملک کی دوسری تمام مساجد میں پاکستان کی کامیابی کے لئے دعاؤں کا سلسلہ اب تک

جاری ہے۔ ملک کے طول وعرض میں پاکستان کی امداد کے لئے عوام چندے اکٹھے کر رہے ہیں، جس میں تاجر، صنعتکار اور ملازم پیشہ غرض یہ کہ ہر طبقہ کے لوگ حصہ لے رہے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے ملک کے مختلف شہروں میں کرکٹ اور فٹ بال وغیرہ کے کھیل بھی کھیلے گئے ہیں۔ ان میچوں میں حاصل شدہ رقم پاکستان کو دی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ یہاں کے عوام میں اتنا ہی جوش وخروش پایا جاتا ہے جو کہ ہم اپنے ہاں کے عوام میں دیکھ کر آئے ہیں۔

یہاں کے اخبارات نے پاکستانی فوج کی خوب تعریفیں کی ہیں۔ یہاں کے ایک روزنامہ ''عکاظ'' نے لکھا ہے کہ دنیا بھر کے مبصرین اس پر ناطق ہیں کہ پاکستان کی فضائیہ ہندوستان کی فضائیہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

پاکستان کی نمایاں فتح اور ہندوستان کی فاش شکستوں کا راز پوری دنیا پر فاش ہو چکا ہے۔ جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جامعہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے پچاس سے زائد ملکوں کے طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ یہ طالب علم چھٹیاں اپنے ملکوں میں گزارنے کے بعد اب واپس جامعہ پہنچ رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک طالب علم پہلی ہی ملاقات میں سب سے پہلے ہمیں پاکستان کی حیرت انگیز فتحیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہندوستان اپنے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ دنیا کے سامنے جو اپنی شکستوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا ہے، وہ اس میں ذرا برابر بھی کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے فضلاء کو دعوت وتبلیغ کے لئے افریقہ بھیجنا:

جامعہ کے حالات بدستور ہیں، گزشتہ سال جو طالب علم جامعہ سے فراغت حاصل کر چکے ہیں، ان میں سے بیشتر کو افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں دعوت وتبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے، یہ طالب علم وہاں مستقل طور پر کام کریں گے۔ اور سعودی حکومت ان کو تنخواہیں دے گی۔ ویسے جامعہ کے چند اساتذہ پر مشتمل ایک وفد بھی چند ماہ کے لئے افریقہ کے بعض ممالک کے دورہ پر گیا ہوا ہے، یہ اساتذہ عنقریب واپس پہنچنے والے ہیں۔

مولانا عباسی کی الحق کو دعائیں:

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدظلہ، اور دوسرے اصحاب کیلئے آپ نے ''الحق'' کے جو پرچے دیئے تھے، وہ میں نے پہنچا دئے ہیں۔ مولانا نے خوشی کا اظہار اور دعائیں فرمائیں، آپ سب

حضرات کی خیریت کے بارے میں دریافت فرمایا، میں نے آپ حضرات کا سلام پیش کیا، انہوں نے بھی جواباً سلام لکھنے کیلئے فرمایا۔

مولانا بدر عالم میرٹھی کی علالت:

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدظلہ، آج کل بہت زیادہ علیل ہیں، بہت صدمہ ہوا۔ بات کرنے کی طاقت بھی اب ان میں باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کو شفا عاجلہ اور عمر دراز عطا فرمائے۔ امین

۲۷۔اکتوبر: نوشہرہ بسلسلہ کتابت الحق گیا۔

۲۹۔اکتوبر: پشاور جانا ہوا برائے طباعت الحق شمارہ ۳۔

☆ مولانا نصیر الدین غورغشتی کی زیارت کیلئے سفر۔

۳۰۔اکتوبر: بعد از نماز مغرب جناب رفیق احمد صاحب او ورسیر جناب یعقوب جان بنوری صاحب کے ہمراہ بذریعہ کار غورغشتوی بغرض زیارت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ گئے۔ عشاء کا کھانا ہٹّیاں میں کھایا۔ عشاء کی نماز کے لئے حضرت کے ہاں پہونچے۔ بعد از نماز مجلس رہی، صبح بعد از نماز فجر مولانا مدظلہ سے دعا اور رخصت سے لے کر واپس ہوئے۔

۳۱۔اکتوبر: پارلیمنٹ برطانیہ کا سزائے قتل کے بدلے قتل کی سزا کی منسوخی کے بل پر الحق میں مختصر شذرہ لکھنا ہے

سلسلہ خطبات جمعہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب مولانا حافظ سلمان الحق حقانی

ماہ محرم کی اہمیت وفضیلت اور شہادت حسینؓ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُم (سورة التوبة ٣٦)

''مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین ان چار مہینے میں ادب کے یہی ہے سیدھا دین سو اُن میں ظلم مت کرو اپنے اوپر۔''

وقال النبی ﷺ افضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم (مسلم)

''رمضان المبارک کے بعد محرم الحرام کا روزہ رکھنا زیادہ افضل (بہتر) ہے۔''

مغفرت کے بہانے:

معزز حضرات گزشتہ چند خطبات میں قربانی کی اہمیت وفضیلت اور قربانی کے مقام و مرتبہ اور احکام حسب توفیق بیان کر دیئے تھے جس کے بعد اللہ کے فضل و کرم اور احسان سے وہ عظیم الشان عبادت ہم سب نے بڑے احسن طریقے سے اس امید کے ساتھ ادا کی کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قربانی کا خون زمین پر پہنچنے سے پہلے انشاء اللہ قبول ہو گیا ہوگا اللہ تعالیٰ مومن کو کسی بہانے جنت کا حقدار ٹھہرا کر جنت میں داخل کرنا چاہتا ہے اللہ کی ذات رحیم و رحمان ہے وہ مغفرت را بہانہ مے طلبد، مغفرة را بہا، نہ مے طلبد مومن تو جنت میں داخلہ کا طلب گار ہے ورنہ ایک متقی اور پرہیز گار مسلمان جنت کی قیمت ادا کرنے کی سکت اور قوت نہیں رکھ سکتا۔

برکات تقویٰ:

اللہ کے ہاں مومن سے مطلوب تقوی ہے انسان جب صفت تقوی سے مالا مال ہو جاتا ہے تو اس کے لئے دنیا و آخرت کے دروازے خود بخود کھلنا شروع ہو جاتے ہیں ارشاد باری ہے " **ومن يتق الله يجعل**

لۂ مخرجا '' اللہ تعالیٰ مشکلات میں اس کے ممدو معاون بن جاتے ہیں پھر آگے ارشاد ہے " ویر زقۂ من حیث لا یحتسب" مالك الملك اسکو ایسے انداز سے رزق دیتے ہیں کہ بندہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا مزید فرمان الٰہی ہے " ومن یتق الله یکفر عنه سیاته " اور جو تقوی اختیار کرتا ہے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں پھر آخر میں جو اجر عظیم ملتا ہے رب ذوالجلال نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا" و یعظم لۂ اجراً " اللہ اسکے اجر وثواب کو بہت بڑھا دیتا ہے آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ مالک کن فیکون نے ان آیات میں تقوی اختیار کرنے والے کیلئے چار وعدے فرمائے بہرحال عیدالاضحیٰ کے موقع پر بھی جیسے میں نے عرض کیا تھا وہ قربانی اللہ کو مقبول ہے کہ قربانی کرنے والا تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو اور یہی تقویٰ جو امن عالم کا ضامن اور تمام عبادات کی روح ہے۔

بابرکت ایام:

بہرحال اب دائیگی حج اور قربانی کے بعد نیا اسلامی سال شروع ہونے والا ہے نئے سال کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے ابتدائی دس دن بڑے مبارک اور عظمت والے بنائے جس طرح ذی الحجہ کے پہلے دس دن بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔

یوم عاشوراء کی فضیلت:

تو اسی طرح محرم کے پہلے دس اور خصوصاً دسواں دن جسکو عاشوراء کے نام سے جانا اور پہنچانا جاتا ہے بڑا اہمیت کا حامل دن ہے یہ وہ مبارک دن ہے جس میں اللہ نے زمین ،آسمان و پہاڑ ،لوح وقلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اسی مہینے میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور پھر اس کی توبہ بھی اسی مبارک ماہ میں قبول فرمائی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ نے طوفان اور پانی کا عذاب برپا کیا فرعون بمع لاؤلشکر اس میں غرق ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کو اسی عاشوراء میں طوفان کے عذاب سے محفوظ رکھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اس مہینہ ہو کر پھر نمرود نے جو آتش حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جلانے کے لئے تیار کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی آگ میں ڈال کر وہ پہاڑ نما آگ اس کے لئے اذیت کا ذریعہ بننے کی بجائے ابراہیمؑ کے لئے گل گلزار محرم کے مہینے میں ہوئی اللہ نے ابراہیم خلیل اللہ کو ذرہ برابر تکلیف پہنچنے سے بھی محفوظ رکھا۔

یہ وہ باسعادت اور مبارک ایام ہیں کہ ان ایام میں حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر

آئے اور حضرت ایوب علیہ السلام جو خطرناک بیماری میں مبتلا تھے محرم میں ہی اس اذیت ناک بیماری سے شفا یاب ہوئے اور بھی کئی اہم انقلابی اموران دنوں میں رونما ہوئے۔

شہادت حسین:

ایک اہم واقعہ جو ہر عام وخاص کے علم میں ہے کہ جگر گوشہ ختم الرسل ﷺ حضرت امام حسینؓ عالی مقام حق و صداقت کا علم بلند کرتے ہوئے باطل قوتوں کے ہاتھوں شہادت کی نعمت عظمیٰ پر فائز ہوئے جسکا ذکر انشاء اللہ آگے کروں گا جیسے کہ آپ کو معلوم ہے یہ دنیا تو ایک امتحان گاہ اور دارالعمل ہے اسکو فنا ہونا ہی ہے اس فنا ہونے کے واقعہ کو اسلام کی اصطلاح میں قیامت کہا جاتا ہے بعض روایات میں قیامت بھی اسی دن برپا ہوگی اتنے عجائب اور غرائب کا ان دنوں میں واقع ہونا ہی ان ایام کی عظمت اور فضیلت کی واضح دلائل ہیں۔

دس محرم کا روزہ:

معزز سامعین ! کائنات میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتوں کا ظہور اسی عاشوراء کے دن فرمایا اسلام سے پہلے لوگ عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن روزہ رکھتے تھے اسلام کے ابتدائی دنوں میں دس محرم کا روزہ فرض تھا مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے دن کے روزہ کی فرضیت ختم ہوئی سید الرسل ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں وجہ پوچھی کہ تم یہ روزہ کیوں رکھتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسکی قوم کو فرعون کے قہر اور ظلم و جبر سے نجات دی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا یہ روزہ فرعون کے ظلم سے بچنے کیلئے بطور شکر یہ تھا اسی وجہ سے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہم آپ لوگوں سے زیادہ موافقت رکھنے کے حقدار ہیں آنحضرت ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

افضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم

”رمضان المبارک کے بعد محرم الحرام کا روزہ رکھنا زیادہ افضل ہے (مسلم)۔

یہود کی شباہت سے ممانعت:

اور فرمایا کہ عاشورا کے دن کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے حضور

اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا اگر زندگی رہی تو اگلے سال دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہود سے صرف ایک دن روزہ رکھنے میں مشابہت نہ ہو حضور اکرم ﷺ نے باقاعدہ عاشورا کے روزے کا اہتمام فرمایا چنانچہ روایت ہے عن عائشہ ؓ کانت قریش تصوم عاشورا فی الجاهلیة و کان رسول الله ﷺ یصومہٗ فلما هاجرا الی المدینة صام وامر بصیامه فلما فرض شهر رمضان قال من شاء صام ومن شاء ترکہٗ مسلم ج ۱ صفحه ۳۵۷

''حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ قریش جاہلیت میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی روزہ رکھا جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو وہاں بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی فرمایا جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو پھر فرمایا کہ جو چاہے عاشورا کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔''

لیکن خود رحمۃ للعالمین ﷺ نے یوم عاشور کا روزہ رکھا وفات سے پہلے جو عاشورا کا دن آیا تو آپ ﷺ نے یہ روزہ رکھا اور ساتھ یہ ارشاد بھی فرمایا کہ اس دن چونکہ یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں تو آئندہ سال اگر زندہ رہا تو یہود کے مشابہت سے بچنے کیلئے صرف دسویں محرم کا روزہ نہیں رکھوں گا

بلکہ نویں یا گیارویں محرم کا دن بھی ساتھ ملاؤں گا کہ مشابہت ختم ہو جائے لیکن اگلے سال حضور اکرم ﷺ عاشورا سے پہلے وصال فرما گئے مگر صحابہ کرام ؓ نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ نویں یا گیارہویں محرم کا روزہ ملا کر رکھا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود:

معزز ساتھیو! یہاں یہ بات قابل غور اور توجہ کرنے کے قابل ہے کہ روزہ رکھنا عبادت اور رب العالمین کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے مگر آنحضرت ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ عبادت میں بھی مشابہت پسند نہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے وہ تمام ادیان سے ممتاز اور اعلیٰ دین ہے اور تمام مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے اسی بناء پر دین اسلام کا تقاضا اور مطالبہ یہی ہے کہ اسکی ہر عبادت و طاعت، طریقہ وسلیقہ، بود باش بھی دوسرے مذاہب سے ممتاز ہو چنانچہ احادیث مبارکہ میں جگہ جگہ نبی کریم ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے اپنا ہر طریقہ جدا کرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

خالفوا الیهود و النصاری اور بخاری شریف میں روایت ہے خالفوا المشرکین یعنی مشرکین سے اپنا ظاہر اور باطن الگ رکھو حتیٰ کہ جیسے آپ نے سنا حضور ﷺ کو یہود کے ساتھ عبادت میں بھی مشابہت

پسند نہیں تو پھر دوسرے کاموں میں کہاں پسند ہوگی اگر آج کے مسلمان اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور اپنے معاشرے اور ماحول کا مشاہدہ کریں تو ہمارا لباس یہود جیسا ہماری شکل وصورت یہود ونصاری جیسی معاشرت کے طور طریقے رسم ورواج کفار جیسے خصوصاً ہمارے شادی بیاہ کے طریقے تو تقریباً ۹۰ فیصد ہندوؤں کے رسم ورواج کا چربہ ہیں اور پھر سب سے اذیت ناک عمل یہ کہ کفاروں کی طرح شکل وصورت بودوباش اور لباس وغیرہ کو اپنے لئے طرۂ امتیاز وفخر سمجھتے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے واضح الفاظ میں فرمایا ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' (ابو داؤد) یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اس قوم کے اندر داخل ہے بہرحال اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کے دن روزہ رکھنا عمدہ اور بہترین عبادت ہے۔

رسومات محرم:

لیکن اس دن روزے کے علاوہ اور ایسے اعمال جن کا ذکر قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے اقوال میں نہیں ان سے بچنا چاہیے مثلاً قبروں پر جاکر پانی ڈالنا، اہتمام سے پانی وشربت تقسیم کرنا اور بعض لوگ رونا دھونا کرتے ہیں کہ اس دن حضرت سیدنا امام حسین کو شہید کیا گیا یہ تمام امور وبدعات نہ تو شریعت میں موجود ہیں اور نہ ہی ان کا صدیوں تک کہیں وجود ملتا ہے بعض لوگوں کا یہ خیال کہ اس دن کی حرمت اور فضیلت کی وجہ حضرت امام حسینؓ کی شہادۃ ہے تو یہ سانحہ فاجعہ مسلمانوں کی تاریخ کا بدترین واقعہ ہے لیکن یہ بھی یادرکھیں کہ اس دن کی فضیلت روز اول سے مسلّم ہے باقی رہا نواسۂ رسول ﷺ کی شہادت تو یہ فضیلت اور عظمت امام حسینؓ کو حاصل ہے کہ وہ اس مبارک دن میں شہید ہوئے۔

شہادت حسین کا تاریخی پس منظر:

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی بڑا عجیب وغریب ہے حضرت امام حسینؓ نبی کریم ﷺ کے نواسے ہیں اور حضرت علیؓ کے فرزند ہیں حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد تخت خلافت پر ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے لوگوں کو بیعت کا حکم دیا اسی طرح حضرت امام حسینؓ سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا چونکہ اس وقت دارالخلافہ کوفہ تھا اور کوفہ میں اہل بیت کے طرف داروں کی تعداد کافی زیادہ تھی اسی وجہ سے اہل کوفہ نے سینکڑوں خطوط لکھ کر حضرت امام حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

حضرت حسینؓ سے فرزدق کی ملاقات:

حضرت امام حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ کو آگے بھیجا اور خود سفر کی تیاری شروع کر دی اور مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے راستے میں عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی تو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟ فرزدق نے جواب دیا کہ ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور انکی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں اس پر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

یہ فرما کر سواری کو آگے بڑھا دیا جب مقام زرود پر پہنچے تو خبر آئی کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کو یزید کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ طور پر شہید کر دیا ہے۔

کوفہ کے لوگ کیسے بدلے؟

معزز سامعین! بہرحال اسلامی تاریخ کا یہ عظیم واقعہ ہے جس میں امت مسلمہ کیلئے عبرت کے کئی راز پنہاں ہیں جب حضرت حسینؓ کوفہ پہنچے تو کوفہ کا نقشہ بدلا ہوا تھا ان لوگوں کا نظریہ اور خیالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے وہی لوگوں جنہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا اب وہی لوگ مقابلے کیلئے کھڑے تھے حضرت حسینؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو خطوط کی بوریاں کھول کر ایک ایک خط ان لوگوں کو دکھایا اور فرمایا کہ کیا آپ نے یہ تمام خطوط نہیں لکھے تھے؟ مگر اب وہ تمام لوگ اپنے مؤقف سے ہٹ چکے تھے انہوں نے حکومت کا زور اور طاقت دیکھ لی تھی وہ دولت کے نشے میں مست تھے حضرت امام حسینؓ کی حمایت سے انکار کر کے ان کے مدمقابل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہم تو یزید کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں ہم نے تو کوئی خط نہیں لکھا اور بالآخر حضرت امام حسینؓ کو شہید کر دیا اور ان کے ساتھ تمام اہل بیت جو اس معرکے میں شامل تھے اُن سے بھی بڑی بیدردی کا مظاہرہ کیا گیا۔

واقعہ کربلا سے سبق لیں:

حضرت امام حسینؓ خود تو جام شہادت نوش فرما گئے لیکن امت مسلمہ کو بڑے سبق عطا کئے مثال کے طور پر حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا سب سے بڑا اور اہم ترین سبق یہ ہے کہ حق کی تائید ہر حال میں کرنا چاہیے خواہ مقابلے میں اپنے رشتہ دار ہوں یا غیر، طاقت ہو یا دولت، حکومت ہو یا سلطنت کسی کی بھی پرواہ

کئے بغیر حق کا ساتھ دینا اور اس راہ میں ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار رہنا خواہ وہ قربانی مال کی شکل میں ہو یا اولاد کی شکل میں دوستوں کی شکل میں ہو یا رشتہ داروں کی شکل میں حتیٰ کہ اگر اپنا سر بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے اور باطل کی حمایت کرنے والا اس فانی اور حقیر دنیا کے چند دن تو راحت و آرام سے گزار لے گا لیکن پھر اسکی ذلت اور رسوائی، نفرت اور ملامت دائمی ہوگی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حضرت سیدنا حسینؓ کا حق کی سر بلندی کا جذبہ آج بھی اسکی شخصیت اور اس کا نام بلند کئے ہوئے ہے اور جنہوں نے ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا آج تک انہیں لعنت و ملامت کے سوا کچھ نہیں ملا۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت:

محترم حضرات ! عاشوراء کا دن بڑا محترم اور مبارک دن ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا کہ اس دن روزے کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے اسی طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال کو عمدہ کھانا کھلائے تو سارا سال اس کے رزق میں وسعت عطا کی جاتی ہے یعنی اس دن جو شخص اپنے بیوی، بچوں اور گھر کے ملازم وغیرہ کو عام دن کی نسبت عمدہ اور اچھا کھانے کھلائے اللہ تعالیٰ اسکی روزی میں برکت عطا فرمائے گا لہذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہیے۔

رسم و رواج دین نہیں:

خطبہ کی آیت کا دوسرا ٹکرا فلا تظلمو افیهن انفسكم ہے مطلب آیت مبارکہ کا یہ ہے کہ ان حرمت کے مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو ظلم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام نہ کرو جو دین اسلام میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں انہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ اس مبارک مہینوں میں قسم قسم کی بدعات و منکرات کا ارتکاب کریں گے تو اس وجہ سے ابتداء سے ہی یہ حکم صادر فرمایا کہ خبردار کوئی فضول کام، رسم و رواج اور ایسی حرکت نہ کرنا جو دین میں نہ ہو بعض لوگ اس عاشورا کے دن پانی تقسیم کرتے ہیں اسی طرح ان دنوں میں شادی وغیرہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں صاف ستھرے اور نئے کپڑے وغیرہ نہیں پہنتے یہ تمام رسم و رواج اور بدعات ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے فتنوں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے محفوظ فرما کر شہادت حسینؓ کی تعلیمات اور عاشوراء کے فضائل عطا فرمائیں آمین۔

جناب فصیح الدین (پی ایس پی)*
معروف دانشور،ادیب وکالم نگار

چند اوراقِ کتب چند بزرگوں کے خطوط

مکتوباتِ مشاہیر پر بے لاگ تبصرہ

ملکۂ سبا کے زمانے میں یہ کام ہُد ہُد سے لیا جاتا تھا۔ جب کبوتر کے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا ہوا تو یہ ذمّہ داری ''کبوتر جا جا جا'' پر آن پڑی۔لیکن زبانِ غیر سے شرحِ آرزو پر جب آوازیں اُٹھنے لگیں تو قاصد کو ڈھونڈا گیا تا کہ خط کے ساتھ ساتھ محبوب یا مخاطب کے رنگِ حیائی کی خبر بھی لیتا آئے۔مکتوب نگاری ایک ایسا فن اور صنف سخن بن گیا کہ غالبؔ قاصد کے آتے آتے خط ایک اور لکھ کے رکھ دیتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جواب میں کیا کچھ لکھا گیا ہوگا؟ یہ سلسلہ اس قدر مسلسل اور لامتناہی بن گیا کہ مرنے کے بعد غالبؔ کے گھر سے حسینوں کے خطوط بوریوں کے حساب سے نکلے۔ یہ منظر جب جناب مولانا سمیع الحق اور ان کے والد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ہاں دیکھنے میں آیا تو پتہ چلا کہ تصویرِ بُتاں ہیں نہ حسینوں کے خطوط۔البتہ خطوط کا ایک ایسا انبار نکل آیا کہ مولانا کو زندگی ہی میں غالبؔ کے شعر میں ترمیم کرنا پڑی ؎

چند اوراقِ کتب، چند بزرگوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

میری نظر میں'' مشاہیر بنام عبدالحق و سمیع الحق'' خطوط کا مجموعہ نہیں ''قاموسِ مکتوبات'' (Encyclopedia of Letters) ہے۔خطوط لکھنا ہمارے پیارے پیغمبر حضرت سرور کائناتﷺ کی سُنت اور خلفائے راشدینؓ کا طریقہ بھی تھا۔مومنانہ، فاسقانہ،صوفیانہ، عاشقانہ وغیرہ قسم کی شاعری کی طرح خطوط بھی ہر طرح کے ہو سکتے ہیں ۔ سرونسٹن چرچل اور نپولین کے خطوط جو وہ اپنی محبوباؤں کو میدانِ جنگ سے بھی لکھتے رہے،انسانی جذبات واحساسات کا نمونہ ہیں۔کانگرس لائبریری واشنگٹن

---

* مدیراعلیٰ ریسرچ لائبریری بالمقابل فاٹا سیکرٹریٹ پشاور

میں نیچے کتابوں کی چھوٹی سی دکان میں جہاں مختلف ممالک کی مقامی کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں دیکھیں وہاں امریکی صدور کی اپنی بیٹیوں کے نام خطوط کی کتاب بھی نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ امریکی صدور فارغ نہ بھی ہوں تو اپنے بچوں کو راہنمائی کے لیے خط لکھنے کے لیے وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اندرا گاندھی کے نام جو خطوط لکھے ہیں وہ بھی اب کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ مغربی مصنفین بھی خطوط نویسی کو بہت اہم سمجھتے ہیں مثلاً نوبل انعام یافتہ مصنف ہمنگوے کے منتخب خطوط۔ ہمنگوے نپولین کے خطوط کی تعریف کرتا اور اپنے خطوط کو ''بے مزہ'' اور ''احمقانہ'' کہتا تھا۔ حالانکہ ایسا تھا نہیں۔ ہماری اسلامی تاریخ میں تصوف کا بہت بڑا حصّہ ملفوظات کے بعد خطوط کی شکل میں ہے جیسا کہ مکتوباتِ امام ربانیؒ، مکتوباتِ خواجہ معصومؒ، مکتوباتِ شاہ ولی اللہؒ، مکتوبات صدی اور دو صدی (شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ) وغیرہ۔ ماضیٔ قریب کے ہندوستانی علماء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا یعقوب نانوتویؒ اور قاری محمد طیّبؒ اور اُن کا حلقۂ فکر اصلاحِ نفس کے لیے ''مکاتیب'' کا طریقہ اپنائے ہوئے تھے۔ بعض علماء جو تصوف کے ساتھ ادب و سیاست سے بھی لگاؤ رکھتے تھے، کے خطوط میں اجماعِ ضدّین کا رنگ نمایاں ہے۔ سید سلیمان ندویؒ، مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے مشاہیر کے خطوط اس نوعیت اور رنگ کے ہیں۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام اور پھر مکاتیبِ اقبال کا پورا سلسلہ فکر و سیاست اور قدیم و جدید مباحث کا پتہ دیتا ہے۔ غالبؔ کے خطوط جسے بہت سے لوگوں نے مرتب کیا، کسی نے حواشی چڑھائے اور کسی نے فارسی سے ترجمہ کیا، اپنی مثال آپ ہیں۔ مولانا غلام رسول مہرؒ نے بھی مرتب کیے اور پھر کئی جلدوں میں خلیق انجم نے بھی۔ خود مولانا غلام رسول مہرؒ کے خطوط پر مختار عالم حق نے حواشی لکھنا شروع کیے۔ مشفق خواجہ کے خطوط اور شبلی کے خطوط میں اگر خالص علمی و ادبی رنگ ہے تو یہ سلسلہ داؤد رہبر کے ''سلام و پیام'' میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ابوالکلام آزادؒ کے خطوط تو بہر حال ایک ایسا شاہکار بن گئے کہ ''غُبارِ خاطر'' نام پایا۔ یہ تاریخ لذیذ بھی ہے اور طویل بھی۔

خطوط کو جمع کرنا، ترتیب دینا اور پھر اس پر متعلقہ مقامات پر حواشی سے وضاحت کرنا کہ وہ وقت، وہ زمانہ، وہ شخصیت، اور وہ واقعہ کیا تھا، خاصی دلسوزی اور دماغ سوزی کا کام ہے۔ اس کے لیے فکر و نظر کی وسعت کے ساتھ ساتھ غیر جانبداری، وسعتِ قلبی اور برداشت بھی درکار ہوتی ہے۔ تحقیق و

تنقید میں اعتدال و توازن کا دامن پکڑنے یا چھوٹنے سے مؤلف و مرتب کی شخصیت کا اعتدال خود بخود سامنے آجاتا ہے۔ کبھی کبھی خطوط کو کوئی ایک فرد یا ادارہ جمع کرنے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے جیسے جامشورو یونیورسٹی کے مجلّہ ''تحقیق'' کا مکاتیب نمبر یا ''نقوش'' کا ''خطوط نمبر'' اور ''مکاتیب نمبر''۔ غیر مطبوعہ اور نایاب خطوط حواشی کے ساتھ شائع کرنے میں ادبی اور علمی رسائل اکثر پیش پیش رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ خطوط چونکہ زیادہ تر ذاتی ہوتے ہیں اس لیے ان کو ایک جگہ جمع کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اگر یہ خطوط کسی ایک شخص یا ادارے کے نام ہوں تب بھی ستر اسّی سال تک ان خطوط کو ایک ترتیب سے رکھنا اور پھر اُن کو کئی جلدوں میں حواشی کے ساتھ شائع کرنا اور بھی مشکل کام بن جاتا ہے۔ پہلے پہل زیرِ نظر خطوط حضرت مولانا عبدالحقؒ کے نام آتے رہے اور جب ماہنامہ ''الحق'' جاری کیا گیا تو پھر ایک ادارہ اس کی ترتیب و تدوین کا ذمہ دار ٹھہرا۔ میں نے انجمن ترقی اُردو بورڈ کراچی میں جب مشاہیر کے ان خطوط کی تفصیل ڈاکٹر جاوید منظر اور پروفیسر سحر انصاری کے سامنے بیان کی تو وہ عش عش کر اُٹھے۔ فون پر مجلسِ ترقی ادب کے ڈائریکٹر پروفیسر تحسین فراقؔی نے بھی یہی تبصرہ کیا کہ ہماری تاریخ اور جدید دینی ادب کا ایک بیش بہا خزینہ ہاتھ آیا ہے۔ پروفیسر سحر انصاری جیسے نابغۂ روزگار مصنف نے بتایا کہ میں ہندوستان میں یہ بات کئی سال پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان میں اُردو کا مستقبل ہمارے ہندوستانی دینی مدارس سے وابستہ ہے جو اُردو کو ایک علمی اور ادبی زبان کے طور پر ہندوستان میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کو ان مشاہیر کے خطوط میں فیض احمد فیضؔ اور احمد ندیمؔ قاسمی کے سامنے ممتاز نقاد حسن عسکری نے کہی تھی کہ ''اگر اُردو کا معیاری نثر پڑھنا ہے تو وہ اکوڑہ خٹک سے شائع ہونے والے الحق رسالہ میں آپ کو مل سکتا ہے''۔ (جلد دوم۔ص۔75) ''الحق'' کا اشاریہ جو راقم کو مولانا عبدالقیوم حقانی کی وساطت سے ملا ہے، حسن عسکری کی اس بات کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

جدید دینی ادب جس کے معماران میں ابوالکلام آزادؒ، ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا مودودیؒ اور ان کے ہم فکر رفقا کا نام جلی حروف سے لکھنے کے مترادف ہے، صرف ایک دینی جماعت یا طبقے کو محدود نہیں ہے۔ دیوبند کے اکابر یا ان سے وابستہ افراد نے اس سلسلے میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ آہستہ آہستہ تحقیقی مقالات کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ ان خطوط میں جگہ جگہ ادبیات کے

اسلامی تصور پر بھی مشاہیر کی آراء ملتی ہیں۔مولانا علی میاںؒ نے مصنوعی اور تقلیدی ادب، مصنوعی اور غیر مصنوعی ادب اور پیشہ ور ادیب یا بہرو پئے کی بحث چھیڑ کر ایک نئی راہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے(جلد دوم۔ص۔38)۔مشاہیر کے یہ خطوط جس کی تقریب رونمائی 2011ء میں ہوئی متواتر ارتقائی عمل سے گزر رہے ہیں۔چھٹی اور ساتویں جلدیں جنوری 2012ء کو منظر عام پر آئیں۔آخری جلد میں تقریبِ رونمائی کی تقاریر اور تحسین و آفرین کے مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ساتویں جلد جو جہادِ افغانستان کے بارے میں ہے کے آخر میں ان تمام مضامین کا اشاریہ دیا گیا ہے جو''الحق'' میں 1969ء سے لے کر 2011ء تک افغانستان سے متعلق شائع ہوئے ہیں۔علمائے کرام اور تاریخِ افغانستان کے محققین کے علاوہ ان میں طالبان راہنماؤں اور جنرل اسلم بیگ کے مضامین خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔سات سو سے زائد صفحات پر مبنی یہ جلد جدید تاریخِ افغانستان کے بارے میں بہت سے واقعات و حوادث اور نظریات و افکار کے بارے میں ایک مستند وستاویز ہے جس سے ایک خاص نقطۂ نظر کے بارے میں آ گاہی ملتی ہے۔مثال کے طور پر اعجاز الحق نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا کہ'' مسلمانوں نے جب تک اپنے افغان مجاہدین کو اپنے سینے سے لگا کر رکھا اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے اوپر برکتیں نازل کیں اور کوئی آٹے کا بحران نہیں آیا'' (جلد ہفتم۔ص۔ 422) بائیں بازو کے لوگ ان ''برکات'' کو شاید ''ڈالروں کی بارش'' سے جوڑ دیں۔امریکی صدر اوبامہ کی افغانستان پاکستان (Af-Pak) پالیسی سے تقریباً دس سال پہلے ڈاکٹر اسرار احمد نے مؤلف کے نام اپنے خط میں کیسی عجیب بات لکھی ہے کہ ''پاک افغانستان دونوں ایک ہو جائیں۔ یک جان دو قالب ہی نہیں بلکہ یک جان اور یک قالب بن جائیں اور مجھے اُمید ہے کہ ایسا لازماً ہوگا'' (جلد دوم۔ص۔238) کیا یہ جملہ آج کے حالات میں انسان کو حیرت میں مُبتلا نہیں کرتا؟ چھٹی جلد میں عالمِ اسلام اور بیرون ممالک کے مشاہیر، سیاسی راہنماؤں اور سفارت کاروں کے خطوط کو یکجا کیا گیا ہے۔ان خطوط میں عالمِ عرب کو خصوصی طور پر یاد رکھا گیا ہے اور ان کا حصّہ زیادہ ہے۔سعودی عرب اور اس کے حکمرانوں سے وابستہ توقعات کا نمایاں طور پر پتہ چلتا ہے۔شاہ فیصل شہیدؒ اور خادم الحرمین شریفین شاہ فہدؒ کی وفات حسرت آیات پر حواشی تبصرے اور خطوط ''یادرفتگاں'' میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔دلچسپی کی بات یہ نظر آئی کہ شاہ فہدؒ کے جنازے میں جانے کے لیے صدر جنرل پرویز مشرف مولانا سمیع الحق کو خصوصی طیارے

میں ساتھ اس لیے گئے کہ مولانا کے نظریات کا قبلہ درست ہو اور ان کی ''برین واشنگ'' ہو سکے مگر طرفہ تماشا یہ ہوا کہ مولانا نے جنازے میں جنرل پرویز مشرف کو غلط سمت میں کھڑے دیکھ کر ان کا قبلہ درست کیا۔ مولانا کو ڈر رہا کہ کہیں کوئی کیمرے کی آنکھ جنرل مشرف کو دیکھ نہ لے کہ ان کا تو قبلہ ہی غلط تھا (جلد ششم۔ص۔50)۔کمال یہ ہے کہ اسی جلد میں مسلمانانِ عالم کی ایران سے متعلقہ توقعات کا بھی بھرپور ذکر ہے۔

خطوط میں سفرناموں کا احاطہ بھی عجیب لطف پیدا کر رہا ہے۔مولانا اور اُن کے رفقائے سفر کو تہران میں سُنّی علماء نے بتایا کہ ''دونوں فرقے ایران میں خوش اسلوبی سے وقت گزارتے ہیں'' (ص۔267)۔ایران میں شیعہ سُنی فساد اور باہمی جھگڑے کے نہ ہونے کا خصوصی ذکر ہے۔البتہ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو ایرانی کھانوں میں مرچ مصالحوں کی کمی کی شکایت ضرور رہی ہے۔مولانا نے کانفرنسوں کے حال احوال کے ساتھ اپنی سفری یادداشتیں جس انداز سے مختصراً لکھی ہیں جیسا کہ ''امام مسلمؒ کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز'' اگر ان کو وسعت دی جاتی تو مولانا تقی عثمانی کے علمی سفرناموں کی طرح ایک اور علمی سفرنامہ ہمارے ہاتھ آجاتا جس میں سفر کا حال کم اور تاریخِ اسلام کے شاندار ماضی اور موجودہ زبوں حال پر رونا زیادہ ہوتا ہے۔بعض اوقات مؤلف کے کوئی دوست یا دارالعلوم کے کسی عالم نے بھی بیرون ملک سفر کے دوران کوئی خط لکھا ہے تو وہ بھی ایک مکمل سفرنامہ کی شکل اختیار کر چکا ہے جیسا کہ مولانا شیر علی شاہ کا مکتوبِ بغداد (جلد چہارم۔ص۔1212)۔خود مؤلف کے اپنے والد کے نام خطوط میں عمرے اور حج کی تفصیلات بھی ایک علمی سفرنامے سے کم نہیں۔ ایک کانفرنس کے اختتام پر اتحادِ ملّت کا جو نقشہ مختلف مکاتبِ فکر کے 31 علماء نے تیار کیا تھا وہ بائیس نکات کا ضابطۂ اخلاق (جلد ششم۔ص۔295) تو آج بھی اپنے عمل پذیر ہونے کو ترس رہا ہوگا۔محسوس ہوتا ہے حکومتی پالیسیوں کی طرح اتحاد بین الملّت بھی صرف کاغذی کارروائی تک محدود رہتا ہے۔ان ''خطوط کے قاموس'' میں البتہ مستقبل کے مؤرخ اور نقاد کے لیے اِس قسم کی کارروائیاں محفوظ کر لی گئیں ہیں کہ مخصوص حالات کے پیدا ہونے پر مختلف طبقوں اور حلقوں کا کیا ردِعمل تھا؟

مشاہیر کے ان خطوط کا جائزہ کسی ایک مضمون میں نہیں سما یا جا سکتا۔ان خطوط اور ان کی مختلف جہات پر الگ الگ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھنے چاہیئے۔اس مختصر مضمون میں میں چیدہ چیدہ

نکات کا بیان کروں گا۔ سب سے پہلی تحقیق طلب بات تو یہ ہے کہ پون صدی تک ان خطوط کو کیسے جمع کر کے محفوظ کیا جا سکتا ہے؟ یہ کہانی اس مجموعے میں صرف اتنی بیان کی گئی ہے کہ ابھی مؤلف کے کھیلنے کودنے کے دن تھے اور سن یہی آٹھ نو کا تھا کہ خطوط کی ایک زنبیل ان کے والد کے نام کتابوں سمیت آتی تھی۔ پیغام رسانی کے دوسرے جدید ذرائع ابھی انسان کی فکری ایجاد میں لوٹ پھوٹ رہے ہوں گے۔مولانا پیشِ لفظ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:''یہ خطوط میرے بچپن کے ذوق وشوق کا پہلے پہل سامان بن گئے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ دوات کی روشنائی کی خوشبو،قلم کی روانی کا نغمہ،صریرِ خامہ کا بانکپن اور رنگ برنگ لفافوں اور خطوط کی چمک دمک گویا میرے گھٹی میں شامل ہوگئی تھی''۔ لاشعوری کے زمانے میں اپنے باپ کے سرہانے سبز رنگ کے مخملی تھیلے کو للچائی نظروں سے دیکھنے والا بچہ شعور کی زندگی میں اُسے عقیدت سے دیکھنے لگا۔ نتیجہ اس''قاموس مکاتیب'' کی صورت میں نکلا۔ پون صدی کے اس جزم واحتیاط اور نظم وضبط کے مظاہرے نے ہندوستانی علماء کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے جن کا عمومی خیال اس خطے اور پختون قوم کے بارے میں یہ ہوتا ہے کہ شاید نظم وضبط (ڈسپلن)، ترتیب اور منیجمنٹ پختونوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ مولانا نے اس خیال کی ایسی تردید کی ہے کہ خود مولانا محمد تقی عثمانیؒ جیسے محتاط عالم کو اس کا اظہار کرنا پڑا ہے۔اس کہانی اور جمع مکاتیب میں زمانے کے اُتار چڑھاؤ بھی آئے ہوں گے جن کے بیان سے یہ خطوط خالی ہیں۔ البتہ پیش لفظ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ 2010ء میں پختونخوا میں جو خطرناک اور تباہ کن سیلاب آیا اور دارالعلوم حقانیہ کی حدود میں بھی پانی پہنچ گیا تو مولانا باقی تمام چیزیں اور مال واسباب چھوڑتے ہوئے صرف ان خطوط اور اس کے ساتھ کے کمپیوٹر کو دارالعلوم کی ایک بلند عمارت کی چھت پر لے گیا کہ کہیں یہ قیمتی اثاثہ ضائع نہ ہو۔ پشتو کہاوت ہے کہ جب گھر تک بات آپہنچے تو صرف اپنی خیر منانی چاہیئے مگر مولانا صاحب نے اسلاف کی ان یادگار خطوط کو بچانا ضروری اور مقدم سمجھا۔ اُردو زبان وادب اور تاریخ اسلام و پاکستان کے لیے ان کی یہ خدمت اور یہ جذبہ اس لائق ہے کہ ان کو اس کارنامے پر بجا طور پر پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری عطا کی جا سکتی ہے۔عوام اس کا اندازہ نہیں کر سکتے مگر مجھ جیسے تاریخ وادب کے طالب علم یہ بات جانتے ہیں کہ یہ کام بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکتے جو ایک شخص کے بچپن کے کھیلونوں سے شروع ہو کر میدانِ جنگ کی تلواروں تک علم وفضل کی تلاش وحفاظت کے جذبے نے ممکن بنایا ہے۔اس کہانی

کے کئی اہم موڑ پون صدی کے انسانی اور تاریخی واقعات وحوادث پر مبنی ہوں گے جس پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کی ضرورت موجود رہے گی۔

دوسری اہم بات یہ کہ ان خطوط میں ہندوستان و پاکستان کے اندر بر پا ہونے والی دینی و سیاسی تحریکات کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔تحریکِ ختم نبوت سے دفاع پاکستان کونسل تک کتنی ہنگامہ خیز تحریکات بر پا ہوئیں وہ ان سات جلدوں میں جگہ جگہ دل کے ٹکڑوں کی طرح بکھری ہیں۔ یہ خطوط انہی تحریکات اوران سے وابستہ شخصیات وقوانین کا ایک ایسا دستاویز ہے جس پر اُٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے کا مصرعہ پوری طرح صادق آتا ہے۔بعض شخصیات کے بارے میں عام قاری کوعلم نہیں ہوتا کہ وہ کس درجے کا عالم یا ذاتی طور پر کس قسم کے اخلاق کا مالک تھا۔ یہ کام مؤلف نے حواشی میں سرانجام دیا ہے۔حواشی میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف نے کسی کا دل عمداً دُکھانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی شخصیت پر تفصیلی حواشی لکھے ہیں (جلد پنجم۔ص۔1790) تو حیات محمد خان شیر پاؤ کی بھی تعریف کی ہے۔(جلد اول۔ص۔183)۔مخالف حلقۂ فکر کے مشاہیر کا ذکر بھی انتہائی محتاط انداز سے کیا ہے۔لفٹنٹ جنرل اعظم خان کے ایک طویل اور ملکی حالات پر ایک پُرسوز خط کے آخری کلمات کچھ اس طرح ہیں:”میں پورے خلوص، دل سوزی اور حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ یہ گزارش کروں گا کہ یہ وقت ذاتی اناؤں کی پرورش کا نہیں کیونکہ اگر خُدانخواستہ، خُدانخواستہ یہ ملک نہ رہا تو نہ کسی کی وزارت رہے گی اور نہ ان کی جرنیلی رہے گی۔انہیں بھی لندن کے کسی ہوٹل میں ہیڈ ویٹر کی ملازمت ڈھونڈنی ہوگی“(جلد اول۔ص۔112) مولانا نے حواشی میں اس شخصیت کا ذکر نہیں کیا ہے کہ لندن کے کس ہوٹل میں ان کو ہیڈ ویٹر کی ملازمت کرنی پڑی۔معلوم نہیں یہ مولانا کی طبعی شرافت کا نتیجہ ہے یا اس بات کا اقرار ہے کہ اس ملک میں کئی اضلاع میں ڈپٹی کمشنر رہنے والی یہ شخصیت صدرِ پاکستان بھی رہ چکے ہیں۔ پھر بھی ان کے ریٹائرمنٹ کی ذاتی زندگی میں گزراوقات کے لیے کچھ نہ تھا۔لوگ اس ذہین اور نابغۂ روزگار صدر پاکستان جنرل سکندر مرزا کو کچھ بھی کہیں، بعض لوگ ان کی عظمت کی گواہی دیں گے کہ اس نے ہوٹل میں ویٹر بننا گوارا کیا، قدرت کی تقسیم پر تسلیم ورضاء کا مظاہرہ کیا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ ہی ملازمت کے بعد کسی بیرون ملک کے وطن دشمن اداروں اور این جی اوز میں کنسلٹنٹ بنا۔مولانا سے اپیل ہے کہ اگلے ایڈیشن میں

ان پر بھی ایسا ہی ایک حاشیہ لکھیں جیسا کہ اپنے مایۂ ناز شاگرد اور سیاست میں میرے ممدوح مولانا فضل الرحمان صاحب پر لکھا ہے۔ (جلد پنجم۔ص۔ 1838) افسوس کہ مولانا فضل الرحمان کے تمام تر خطوط دارالعلوم میں طلباء کے داخلوں سے متعلق ہیں۔ وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے تھے۔ مولانا نے حواشی میں اگر چہ بہت زیادہ وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا ہے البتہ مولانا مودودیؒ کا ایک عدد خط جو قادیانیوں کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا ہے کے نیچے حاشیہ مولانا مودودیؒ کی شخصیت سے زیادہ جماعت اسلامی کے بارے میں ہے۔ میری نظر میں اس حاشیہ اگر اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کی کیا جائے تو مناسب ہوگا اس لیے کہ مولانا کی شخصیت، علمیّت اور تحریروں پر اِن خطوط میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے اور جماعت اسلامی کی سیاست خصوصاً جس دور کے بارے میں مؤلف نے لکھا ہے مولانا مودودیؒ سے بہت بعد کی باتیں ہیں۔ جماعت اسلامی والے تو اپنا دفاع خود کریں گے البتہ مولانا مودودیؒ کی عالمانہ شان اور جرأت کے بارے میں یہ حاشیہ زیادہ نہیں جچتا۔ (جلد دوم۔ص۔61)

ان خطوط میں ایک مزے کی چیز مشاہیر کے قلمی معرکے ہیں۔ مولانا مدار اللہ مدار کے خطوط (جلد پنجم۔ص۔2012) اور ہندوستان کے خان غازی کابلی کے خطوط (جلد سوم۔ص۔ 774) اس کا نمونہ ہیں۔ ایک نہیں درجنوں مشاہیر کے خطوط میں کسی علمی کتاب کا محاکمہ ہے یا کسی مضمون کے مندرجات پر تنقیدی رائے کا اظہار ہے۔ ان قلمی معرکوں میں کئی علمی و تاریخی مباحث کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان پر مستقل مضامین لکھنے کی ضرورت آج بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر باچا خان مرحوم سے متعلق ابوعمار قریشی کا خط (جلد دوم۔ص۔85)، نظریۂ پاکستان اور بانی پاکستان سے متعلق ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کے خطوط (جلد دوم۔ص۔80)۔ پروفیسر محمد اسلم کا قاضی عبدالحلیم اثر افغانیؒ کی لغزش پر خط کہ کیا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ابوالکلام آزادؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ حسنی سیّد تھے یا ان کا سادات سے حسب و نسب کا کوئی واسطہ نہیں ہے؟ یا پروفیسر محمد اسلم کا یہ سوال اُٹھانا کہ کیا مولانا عبدالماجد دریابادی قادیانیوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے؟ (جلد دوم۔ص۔254) محمد اعظم علی خان خسروی کا اقبالؒ پر زبردست قلمی حملہ اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی خاموشی بھی خاصا معرکے کی چیز ہے (جلد دوم۔ص۔322) یہ پون صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔ ہر جلد میں اس قسم کے مناظرانہ اور معاصرانہ معرکوں اور چشمک پر مبنی درجنوں خطوط کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ ''الحق کے قلمی معرکوں'' کے نام سے ان خطوط کی روشنی میں متعلقہ

مضامین سمیت کم از کم کوئی ایم فل کا مقالہ لکھا جا سکتا ہے جو خود ایک معرکے کی چیز ہوگی۔

ایک اور مزے کی چیز کتابوں پر تبصرے ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ عبدالرشید ارشد کی طرف سے ''بیس بڑے مسلمان'' پر تبصرہ میں سرقہ اور علمی بد دیانتی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں (جلد پنجم۔ص۔ 1812)۔ بعض اوقات مکتوب نگار نے کسی اہم مسئلے پر کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس کی تو ''الحق'' کی وساطت سے یہ سوال اُٹھایا کہ اس اہم موضوع پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے جس سے ظاہر ہے کہ علما اور مصنفین کو ایک تحریک ملتی ہوگی جیسا کہ قاری فیاض الرحمان ہزاروی کی 1971ء سے تا دمِ اشاعت 37 عدد خطوط کا تمام تر محور علمی اور سوانحی کتابوں کا تذکرہ ہے۔ (جلد پنجم۔ص۔1867)۔ یا پروفیسر داکٹر محمد یوسف فاروقی کے خطوط (جلد پنجم۔ص۔2209)۔ کیسی عجیب بات ہے کہ این جی اوز کے موجودہ شور شرابے سے 34 سال قبل ڈاکٹر محمد یوسف نے یہ دہائی دی کہ اسلام میں بچوں کی قدر و قیمت، حقوق اور تعلیم و تربیت پر مزید لکھا جائے۔ ان کا مضمون اس بارے میں ''الحق'' میں چھپ چکا تھا۔ بعض کتابوں پر تنقیدی خطوط بھی اہم ہوتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر فضل الرحمان کی کتاب پر ڈھاکہ سے 1968ء میں مولانا محی الدین کا خط (جلد پنجم۔ص۔2005)۔ بعض اوقات مصنفین نے اپنی کتابیں ارسال کرتے ہوئے خطوط بھی لکھے ہیں جیسا کہ مشہور عالم محقق فضل احمد عارف کے خطوط کہ آج اگر اُن کی کتابیں بازار سے دستیاب نہ ہوں پھر بھی پڑھنے والے کو ان کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے۔ (جلد پنجم۔ص۔1835) خطوط کے اس عظیم الشان مجموعے سے گویا ''کتابیات'' کا ایک دبستان کھُل جاتا ہے۔ بعض اوقات خطوط میں بڑے معرکۃ الآراء مضامین پر فقیہانہ بحث ملتی ہے جیسا کہ قاضی عبدالکریم کلاچوی کے خطوط اور بالخصوص خط نمبر 51 جو خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں ہے (جلد چہارم۔ص۔ 1576) اور بعض میں بڑے تاریخی مباحث سمٹ آئے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط (جلد سوم۔ص۔709)۔ جہاد افغانستان کا ذکر تو ایک الگ جلد میں ہے البتہ مولانا بشیر احمد شاد کا اگست 1999ء کا خط کتنا چشم کشا ہے جب کہ مکتوب نگار مسلمانوں کو بر وقت خبر دار کیا تھا کہ امریکہ طالبان، افغانستان اور اسامہ بن لادن پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ (جلد دوم۔ص۔ 488)۔

خطوط میں ذاتی گپ شپ ، بیماری اور عیادت کے احوال، کتابوں اور تحفے تحائف کی رسیدیں تو ہوا کرتی ہیں۔ خطوط اُس وقت ایک اور طرح کا علمی شہ پارہ بن جاتے ہیں جب اس میں

پورے کے پورے سوالنامے درج کیے جائیں۔ ان خطوط میں جگہ جگہ ایسے سوالنامے ملتے ہیں جن سے مشاہیر کے نزدیک اہم مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر قبلہ آیاز (حالیہ وائس چانسلر، اسلامیہ کالج یونیورسٹی) نے ایک خط مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق سے متعلق سوالات پر مؤلف کو بھیجا تھا۔ ایک سوالنامہ بطور خط سینیٹر پروفیسر خورشید احمد (جماعت اسلامی والے) نے اسلامی مدارس میں اصلاحات کے بارے میں ارسال کیا تھا۔ (جلد سوم۔ص۔787) دینی مدارس سے متعلق اس قسم کے بعض سوالات مولانا تقی عثمانی نے بھی اُٹھائے ہیں۔ (جلد اول۔ص۔152) کیا یہ سوالات آج بھی تشنہ لب نہیں ہیں؟ کیا ان سوالات کا کوئی جواب ہم سے بن پڑا ہے؟ یہ سوالات کئی سال پہلے بھی اہم تھے اور آج بھی اہم ہیں۔ خود مولانا مؤلف کا سوالنامہ ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' بھی کافی چشم کشا، غور طلب اور پریشان کن سوالات پر مبنی ہے۔ ایک سوالنامہ جو میر شکیل الرحمان کی طرف سے ہے بڑا ہی دلچسپ ہے جس میں اسلام میں عورتوں کے کھیل کو دیعنی کرکٹ ہاکی، سوئمنگ یا مردوں کے سامنے کھیل کھیلنے کی شرعی حدود کے احکام دریافت کیے گئے ہیں (جلد اول۔ص۔ 287-286)۔ معلوم نہیں ان بارہ سوالات پر مبنی سوالنامے کا کیا جواب دیا گیا تھا مگر یہ شاید اُس زمانے کی بات ہو جب آتش جوان تھا اور پسینے سے گلاب کی خوشبو آتی تھی۔ موجودہ دور کے اخبارات اور ٹی وی چینلز اور ''میرا سلطان'' جیسے ڈرامے دیکھنے کے بعد اس قسم کے سوالناموں کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں رہی ہے کہ غلامی میں بدلتا ہے قوموں کا ضمیر

خطوط کے اس قاموس کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے حفظ مراتب کے نہ رکھنے کے الزام سے حفاظت کے طور پر کی گئی ہے۔ ہر جلد کے پیچھے معروف مشاہیر اور مشہور سیاسی راہنماؤں کے نام درج ہیں۔ یہ کوئی پانچ سو سے زیادہ مشاہیر کے نام ہیں جبکہ اس قاموس میں کل پندرہ سو سے زائد مشاہیر کے خطوط سات ضخیم جلدوں کی ہزاروں صفحات پر پھیلے ہیں۔ حواشی کے علاوہ ایک مکتوب نگار کے مضامین اگر ''الحق'' میں شائع ہوئے ہوں تو ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جیسا کہ مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ (جلد دوم۔ص۔287) اور مولانا غلام محمدؒ (جلد پنجم۔ص۔1817) کے مضامین کی تفصیل۔ دونوں سید سلیمان ندویؒ کے اجل خلفاء تھے۔ یہ اس قاموسِ مکاتیب کا خاص انداز ہے۔ بعض اوقات ایسے خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں جس میں اچھا خاصا گلہ شکوہ اور تند و تیز انداز بھی ہوتا ہے مثلاً نوابزادہ محمد علی خان ہوتی کا خط جو ''الحق'' کے ایک اداریے سے متعلق ہے۔ یہ مؤلف کی غیر جانبداری کا ایک نمونہ ہے کہ

اس خط کے ساتھ وہ اداریہ بھی نقل کیا ہے جس سے مکتوب نگار کو شکوہ اور رنج ہوا تھا (جلد پنجم۔ص۔1976)۔قارئین کو خطوط میں درج مباحث کو دریافت کرنے کے لیے آسانی یہ پیدا کی گئی ہے کہ خطوط کے اوپر عنوانات بھی دیئے گئے ہیں اس لیے کسی بھی ایک صاحب کا خط آسانی سے ڈھونڈا جا سکتا ہے۔حوالہ دینے کے لیے مکتوب نگار کے خطوط اگر ایک سے زیادہ ہوں تو باقاعدہ زمانی اعتبار سے اس کو نمبر دیے گئے ہیں اور کسی بھی خط کا حوالہ انتہائی آسان بنا دیا گیا ہے۔تحقیق کے شائقین کے لیے یہ کام جتنا آسان بنایا جا سکتا ہے،مؤلف نے اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

مشاہیر کے خطوط کے نمونے بھی یادگار کے طور پر شائع کیے گئے ہیں۔سب سے پہلا نمونہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کا ہے۔تبرک اور شہادت دونوں جمع ہوئے ہیں۔بعض خطوط عربی اور بعض پشتو اور انگریزی میں ہیں جن کو من وعن نقل کیا گیا ہے۔کسی کسی جگہ انگریزی اور پشتو خطوط کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے مگر یہ کیفیت ہر جگہ یکساں نہیں ہے جس سے ایک گونہ تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔پشتو زبان میں سب سے خوبصورت خطوط حاجی محمد آمین ترنگزئیؒ (جلد اوّل۔ص۔118) اور شیخ الحدیث مولانا امین گل کھوئیؒ برمول (جلد دوم۔ص۔431) کے ہیں۔اول الذکر نے راقم کی والدہ ماجدہ کو قرآن پڑھایا کہ میرے نانا مولانا نذر محمدؒ کے دوست اور شیخ تھے اور مؤخر الذکر سے راقم نے کئی پارے دورۂ تفسیر میں پڑھے اور اکثر ان کے درس میں شامل رہتا تھا۔اپنے پیرومرشد مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کے خطوط سمیت ان سب مشاہیر کے خطوط دیکھ کر دیر تک میری آنکھوں میں آنسو تیرتے رہے۔ان خطوط سے ایک محقق کئی عالمانہ دفتر نکال سکتا ہے اور کوئی شرارت پسند طالب علم ایک شرارتی کرائم رپورٹر کی طرح کئی گھڑے مردے اُکھاڑ کر کئی زخم تازہ کر سکتا ہے۔میں بھی چاشنی اور لطف کے لیے ایسے درجنوں نکات نکال سکتا ہوں مگر مقصد اِن خطوط کی علمی،تاریخی،تہذیبی،دینی،سیاسی اور ادبی حیثیت کو اُجاگر کرنا تھا جو کہ اس ایک مضمون میں قطعاً نہیں ہوسکتا۔آٹھویں جلد کا انتظار رہے گا۔خوفِ فسادِ خلق سے جو ناگفتنی رہ گئی تھی وہ اب ان خطوط میں پوری آب وتاب کے ساتھ تاریخی دستاویز کی شکل میں موجود ہے۔مولانا مؤلف نے اپنے اشاعتی ادارے مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک،نوشہرہ سے شائع کیا اور سات جلدوں کی قیمت دو ہزار پانچ سو روپے رکھی جو کہ انتہائی مناسب ہے۔رہے نام اللہ کا۔

پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان*

استحکام پاکستان کیلئے مذہب کا کردار

(تلخیص برائے مقالہ۔۔دوروزہ کانفرنس: پاکستان کو درپیش تحدیات ومسائل کا حل)

یہ مشیت ایز دی تھی کہ خاتم النبیین ﷺ کا پیغام چار دانگ عالم میں پھیل کر رہے۔ ہندوستان کی سرزمین پر عرب تاجروں کے ذریعے سواحل مالا بار کے لوگ اسلام کی منور و تاباں تعلیمات پہنچنے پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ تاریخ میں برصغیر پاک کا وہ پہلا فرد جو اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی سادہ تعلیمات اور عقائد وعبادات کا رسید ہو کر رہا' وہ مکران و مالا بار کے سواحل ہی کا آدمی تھا۔ اس لئے ایک موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا کہ ''پاکستان اس دن وجود میں آیا تھا جب برصغیر پاک و ہند کا پہلا غیر مسلم مسلمان بن گیا۔ یہی وہ تاریخی لمحہ تھا جب ہندوستان کی سرزمین پر مسلم اور غیر مسلم' دو قوموں کا وجود تشکیل پذیر ہوا۔ اس کے بعد سندھ وہ علاقہ ہے جہاں مسلمان فاتح کی حیثیت سے آئے اور سندھ کا علاقہ باب الاسلام کہلایا۔ اس کے بعد منگول ترک' مغل' پٹھان اور افغان ہندوستان پر حکمرانوں کی حیثیت سے صدیوں تک حکومت کرتے رہے لیکن پھر برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں اپنے حکمرانوں اور بادشاہوں کی نالائقی' نااہلی اور حکمران طبقات کی باہمی چپقلش اور مذہبی فرقہ پرستانہ آویزش کے باعث سیاسی اقتدار سے محروم ہو کر غلامی کی بدترین شکل میں گرفتار ہو گئے۔ جو شخص بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور حکمرانی کی تاریخ پر تھوڑی سی بھی نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمان ہندوستان میں باعزت مقام کے حامل تھے کیونکہ وہ حکمران تھے لیکن جب ان سے حکومت چھن گئی تو ان کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے بارے میں ایک انگریز مؤرخ ولیم ہنٹر اپنی کتاب Our indian Musalmans میں لکھتا ہے کہ ''حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت کلکتہ کا شاید ہی کوئی سرکاری
دفتر ہو' جس میں کوئی مسلمان چپڑاسی یا نائب قاصد سے اوپر کے کسی عہدے کی تمنا کر سکے'' کلکتہ کے

---

* ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر' پشاور یونیورسٹی

اس زمانے کے ایک فارسی اخبار دور بین نے یہ بات ریکارڈ پر لائی تھی کہ ''ہر قسم کی چھوٹی بڑی ملازمتیں بتدریج مسلمانوں سے چھین چھین کر دوسروں' بالخصوص ہندوؤں کو دے دی گئیں''۔

سید حسن ریاض نے اس صورتحال کے بارے میں اپنی کتاب ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں پاکستان کے قیام کی ضرورت کے بارے میں لکھا ہے کہ ''ہندوستان کا حقیقی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے جنگ پلاسی کے بعد نکل گیا۔ اس کے کچھ عرصہ ہی کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں پر اپنی تعداد کی زیادتی کے زعم پر وہ حملے شروع کر دیئے جو تاریخ میں فرقہ وارانہ ہنگاموں کے نام سے مشہور ہیں اور تقسیم ہند کے وقت مسلسل جاری رہے۔ یہ کبھی قربانی پر' کبھی اذان پر اور کبھی مسجدوں کے سامنے جم کر یا ہارن بجانے پر ہوتے تھے جس کے لئے تلک نے یہ کہہ کر ہندوؤں کو اشتعال دلایا تھا کہ مسجدوں کے سامنے باجا بجانا ہندوؤں کا حق ہے۔ کبھی ٹھیک مغرب کی نماز کے وقت مسجد کے قریب گھنٹیاں اور گھنٹے اور گانے بجانے پر ہوتے تھے جس کو اڑتی کہتے ہیں''۔

ہندوستان پر انگریزوں نے اقتدار کی مضبوطی کے بعد مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے تباہ کر کے رکھ دیا اور ان کے ملی وجود اور تشخص کو مٹانے کے لئے انگریز اور ہندو نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ انگریزوں نے اپنے اقتدار کے دوران مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ مٹانے کے لئے انگریز اور ہندو نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ انگریزوں نے اپنے اقتدار کے دوران مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ 1857ء سے 1947ء کا عرصہ مسلمانان ہند کا دور ابتلائے عظیم ہے ہاں اس میں کچھ مخصوص لوگوں کے لئے کچھ خوشحالی بھی تھی۔ کچھ ملازمتیں اور کچھ جاگیریں بھی' نوابیاں بھی اور خان بہادر کے خطابات بھی' لیکن یہ سب کچھ انگریز کے لطف و کرم اور اس کے ساتھ اپنی وفاداری و سازگاری کا نتیجہ تھا ورنہ عمومی طور پر انگریز کی طے شدہ پالیسی یہ تھی کہ ہندوؤں کو ہر لحاظ سے مستحکم کیا جائے اور مسلمانوں کو درماندہ و پسماندہ رکھا جائے۔ ڈیڑھ صدی تک انگریز اور ہندو نے مل کر مسلمانان ہند کو اس مقام پر پہنچایا جہاں اولیائے امت نے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر دعائیں مانگیں کہ پروردگار! ہمارے اسلاف کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کہ ہمیں اس ابتلاء اور آزمائش سے نجات عطا فرما۔ دعائیں قبول ہوئیں اور مشیت ایزدی نے خالص تکوینی تاثیر کے تحت ایسے حالات پیدا کئے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی مملکت پاکستان وجود میں آیا۔

واللہ! پاکستان کا قیام معجزۂ خداوندی ہے۔ یہ ملک اس لئے وجود میں لایا گیا ہے کہ عالم اسلام کا پیشوا بنے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو وہ افرادی قوت؛ وہ وسائل اور وہ سٹریٹجک اہمیت دی ہے جو کسی اور اسلامی ملک کو حاصل نہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ جس طرح بنی اسرائیل نے مصر میں فرعون کی بدترین غلامی سے نجات پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی اور مصر کے فرعونی اور مشرکانہ کلچر کی تاثیر سے گئو سالہ پرستی کی اتنے خوبصورت ملک کے حصول کے بعد پاکستان کی ملت اسلامیہ بھی نہ صرف ناشکری کی مرتکب ہو کر آدھے پاکستان کو گنوا بیٹھی ہے بلکہ ہندوستان کے مشرکانہ کلچر اور مغرب کی ملحدانہ ثقافت اور سودی نظام پر مبنی معیشت پر ایسی ریجھی ہوئی ہے کہ شاید ان کو یاد بھی نہ رہا کہ پاکستان کس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا بلکہ گزشتہ ساٹھ برسوں میں تو بہت سارے سیاسی نابغہ بھانت بھانت کی بولیاں بول کر تان اس بات پر توڑتے ہیں کہ پاکستان تو ہندوؤں کی اقتصادی و معاشی اور سیاسی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے حاصل کیا گیا تھا۔ دراصل ہمارے ہاں قیام پاکستان کو ساٹھ برس گزرنے کے بعد ایک فکری الجھاؤ اور عملی پسپائی ہے جس کے دو خوفناک نتائج سامنے آئے ہیں۔

1۔ ہم ابھی تک قومی سطح پر یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا؟

2۔ ہم یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکے کہ پاکستان کا معاشرہ کیسا ہونا چاہئے اور ریاست (State) کی کیا نوعیت ہو؟

ہماری ruling Elite (طبقہ اشرافیہ) جو ایک محدود اقلیت ہے اور جس نے اس ملک کو یرغمال بنا رکھا ہے اس کا تصور پاکستان کچھ اور ہے اور ملک کی اکثریت جس میں دینی طبقات اور عوام شامل ہیں وہ پاکستان کے بارے میں مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔ اور آئین پاکستان کچھ اور کہتا ہے۔ اس طرح وہ خواب جو ہمارے آباؤ اجداد نے قیام پاکستان کے لئے دیکھا تھا کثرت تعبیر سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہا ہے۔

اسے ملت اسلامیہ پاکستان کی بدقسمتی کہیں یا حالات کی سنگینی کہ یہ ملک جن اصولوں کی بناء پر معرض وجود میں آیا تھا وہی اب تک متعین نہیں ہو سکے اور پاکستان کی عوامی طوفانی تحریک کو جس نظریئے نے جنم دیا اسی کے بارے میں سب سے زیادہ الجھاؤ ہے۔ آج کی نئی نسل بجا طور پر یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسے وہ محرکات و اسباب سمجھائے جائیں جن کی وجہ سے پاکستان بنا۔ اس ضمن میں بالعموم تین نقطہ ہائے نظر پیش کئے جاتے ہیں۔

1۔ پاکستان مسلمانوں کو ہندوؤں کے معاشی استحصال سے نجات دلانے کے لئے بنایا گیا۔

2۔تحریک پاکستان ہندوؤں کے منفی طرز عمل کا نتیجہ اوران کے متعصّبانہ رویئے کے خلاف احتجاج تھا۔
3۔پاکستان مسلمانوں کے انفرادی ملی تشخص کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے بنایا گیا۔
لہٰذا یہ بات دلائل اور منطقی انداز میں سامنے آجاتی ہے کہ قیام پاکستان کا اصل محرک مسلمانوں کا ملی تشخص ہے۔مسلمان یہاں حاکم وحکمران رہے لیکن انہوں نے حتیٰ الامکان روادارانہ اور مصالحانہ پالیسیاں اختیار کیں اور یہاں مسلم قومیت کی نشوونما کیلئے سرکاری اور حکومتی سطح پر کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

"The Meaning of Pakistan" کے مصنف ایف کے درانی نے بجا لکھا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت اس حد تک مسلمان تھی کہ حکمران مسلمان ہوتا تھا۔ اپنی طویل مدت حکمرانی میں مسلمانوں حکمرانوں نے مسلمان ملت کے قیام کے لئے کوئی کوشش نہیں کی۔حکومت کی پالیسی ابتداء سے آخرتک اس سلسلے میں معاندانہ تھی‘‘

سرسید احمد خان نے بہت سادہ الفاظ میں قیام پاکستان کی بنیاد یہ کہہ کر ڈالی تھی کہ ’’فرض کرو تمام انگریز اور انگریزوں کی تمام فوج ہندوستان چھوڑ کر چلی جائے تو ہندوستان پر حاکم کون ہوگا؟ کیا ایسی حالت میں بھی ہندو اور مسلمان دونوں قومیں ایک گدی پر بیٹھ کر برابر درجے پر رہ سکیں گی؟ ہرگز نہیں' ضرور ہوگا کہ اکثریت' اقلیت کو مغلوب کرکے دبائے رکھے‘‘ مسلمانان ہند کے ساتھ ہندوؤں کے متعصّبانہ رویئے کے ناقابل تردید شواہد کل بھی دستیاب تھے اور آج بھی دستیاب ہیں۔لیکن یہاں تنگ رائج کالم کے پیش نظر پیش کرنا ممکن نہیں البتہ اتنی بات عرض کی جاتی ہے کہ پاکستان جنوبی ایشیاء مسلمانوں کے لئے معجزہ وعطیہ خداوندی ہے۔اس کی مثال صالح علیہ السلام کی معجزے کے نتیجے میں پیدا شدہ اونٹنی کی سی ہے۔جس نے اسے کاٹنے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے کبھی آسودہ حال نہیں رہے گا اوران پر خدا کے عذاب کا کوڑا برس کر رہے گا۔ہمیں چاہئے کہ 14 اگست کو تجدید عہد کریں کہ ہم قیام پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگائیں گے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

====================

محترمہ نغمہ پروین*

دارالمصنّفین میں سید سلیمان ندویؒ کا اہم کردار

مولانا سید سلیمان ندوی کا شمار دارالمصنّفین کے خاص دانش وروں میں ہوتا ہے اور دارالمصنّفین کے قائم ہونے کے بعد وہ اس کے رہنما و نفس ناطقہ اور روحِ رواں رہے۔ دارالمصنّفین اور سید سلیمان ندوی دونوں لازم و ملزوم تھے اس بناء پر مہدی حسن افادی انھیں سید الطائفہ کہا کرتے تھے۔[1]

سید سلیمان ندوی ۲۲؍نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ سید صاحب کے والد سید ابوالحسن طبیب حاذق تھے۔ سید سلیمان ندوی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اسلام پور، پھلواری شریف اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں بھی تھوڑے تھوڑے عرصہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم رہے اور یہیں پر سات سال قیام کر کے اپنی تعلیم کو مکمل کیا اور یہیں سے ان کے علمی و ادبی ذوق کی نشوونما اور ترقی ہوئی۔ مولانا شبلی نعمانی ۱۹۰۵ء میں جب ندوۃ العلماء لکھنؤ آئے تو انھوں نے اس جوہر شناس کو اپنی تربیت پناہ میں لیا اور اس کو اس لائق بنایا کہ ۱۹۰۸ء میں تعلیم کی فراغت کے بعد ندوۃ العلماء میں ہی علم کلام اور جدید عربی ادب کے استاد مقرر ہو گئے اور اسی دور میں انھوں نے ''دروس الادب'' کے نام سے دو عربی ریڈریں لکھیں جسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی طرح سے ان کی بہت سی اعلیٰ ترین تصانیف ہیں جنھیں کافی قدر و منزلت حاصل ہوئی اور ان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں وہ سیرۃ النبی کی تالیف میں مولانا شبلی کے لٹریری اسسٹنٹ کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے اور الندوۃ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کے منہدم ہو جانے سے وہ بہت متاثر ہوئے جس کی بنا پر انھوں نے ''مشہد اکبر'' کے نام سے ایک درد انگیز مضمون لکھا جو کہ رسالہ ''الہلال'' میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا اور جسے حکومت وقت نے اس نمبر کو ضبط کر لیا، اسی زمانے میں اپنی تمام تر مصروفیات کے ساتھ ایک اہم تصنیف ''ارض القرآن'' کی شروعات کی۔[2]

---

* ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف سنی تھیالوجی، علی گڑھ یونیورسٹی

مولانا شبلی نعمانی نے سید سلیمان ندوی کو خاص طور پر تصنیف و تالیف کے لیے تیار کیا تھا۔ جب ان کا آخری وقت آپہنچا تو انھوں نے سید سلیمان ندوی کو سیرۃ النبی کو مکمل کرنے کی وصیت کی۔ ۱۹۱۵ء میں انھوں نے مولانا مسعود علی ندوی کے انتظامی تعاون اور مولانا عبدالسلام ندوی کے علمی مشورے سے دارالمصنّفین کی بنیاد ڈالی۔ یہ گویا بغداد کے دارالحکومت کا تخیل ہندوستان کے ایک شہر اعظم گڑھ کی سرزمین پر نمودار ہوا۔۴؎

دارالمصنّفین کے کام کی ابتداء سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف کردہ کتاب ''ارض القرآن'' سے کی۔ جب یہ شائع ہوئی تو لوگوں نے اس کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ جس سے دارالمصنّفین کے کام کی نوعیت اور سید سلیمان ندوی کی قابلیت اور ان کی تحقیقات اور نظر کی وسعت کا لوگوں کو اندازہ ہوا۔ تمام علمی مصروفیات کے باوجود بھی سید سلیمان ندوی نے بعض سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیا۔۵؎

سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جولائی ۱۹۱۶ء میں دارالمصنّفین سے رسالہ ''معارف'' نکلا۔ یہ دارالمصنّفین کا علمی و ادبی آرگن تھا۔ یہ اردو کا ایک واحد علمی رسالہ ہے۔ جو تاریخ اشاعت سے لے کر آج تک بنا کسی تاخیر کے شائع ہو رہا ہے۔ اور اس کی روشنی سے علمی دنیا کا ہر گوشہ منور ہے۔۶؎

سید سلیمان ندوی صاحب علمی و ادبی فرائض کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ دارالمصنّفین کے رفقاء کے لیے لائحہ عمل اور اس کے مربیوں اور ہمدردوں کا حلقہ بھی پیدا کرتے رہے۔ کیوں کہ دارالمصنّفین قائم ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ دنیا میں اعلیٰ ترین مصنّفین کی ایک جماعت پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ تصانیف سے لوگوں کو گورکھ دھندوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

سید سلیمان ندوی نے ۱۹۱۸ء میں اپنے استاد مرحوم کی تالیف کردہ سیرۃ النبی کی پہلی جلد مرتب کر کے دنیائے اسلام کے سامنے پیش کی اور ۱۹۲۰ء میں سیرۃ النبی کی دوسری جلد چھپنے کے لیے بھیج دی۔ اور یہ انھوں نے لندن جانے سے قبل کیا تھا اور لندن پہنچنے کے بعد وہاں سے انھوں نے اس کا دیباچہ لکھ کر بھیجا۔ ابھی وہ لندن میں ہی تھے کہ ان کی کتاب سیرۃ عائشہ شائع ہوئی جسے پڑھ کر ڈاکٹر علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو یہ تحریر فرمایا کہ:

> ''سیرۃ عائشہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سرمہ سلیمانی ہے۔ کتاب کے پڑھنے سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے''۔۷؎

۱۹۲۲ء تک دارالمصنّفین کا چرچا دنیا کے ہر گوشے گوشے میں ہونے لگا تھا۔ اس کی شہرت اور مقبولیت

کو چار چاند لگ چکے تھے۔۸

سید سلیمان ندوی کی سب سے آخری تصنیف ''حیات شبلی'' ہے جو کہ ۸۴۶ صفحات پر مبنی ہے۔ یہ ضخیم کتاب صرف سوانح عمری ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی پچاس سال کی علمی وادبی تعلیمی مذہبی اور قومی واقعات کی تاریخ بھی ہے اس کے بعد انھوں نے سیرۃ النبی کی ساتویں جلد لکھنی شروع کی ابھی اس جلد کے کچھ ہی حصے لکھ پائے تھے کہ وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

سید صاحب ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے تھے۔ اور وہیں پر ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء کو ان کی وفات ہوئی۔ آپ کی شخصیت بڑی پُر وقار اور جامع تھی، ان کے نظریات وخیالات بہت ہی اعلیٰ ترین تھے اور ان کے کاموں کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ لہٰذا ان کی جامعیت کے متعلق علامہ اقبال رقم طراز ہیں:

> ''آج سید سلیمان ندوی علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں، وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں۔ مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں، ان کا وجود علم وفضل کا ایک دریا ہے۔ جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔۹

سید سلیمان ندوی محققانہ ذہن اور مؤرخانہ بصیرت کے مالک تھے ان کے معلومات کی وسعت اور ان کے افکار وخیالات کا اندازہ ان کی تصانیف کے موضوعات سے لگایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں ان کے شاگرد اور ان کے سوانح نگار مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ:

> ''مطالعہ کی کثرت اور نادر کتابوں کی تلاش وجستجو نے ان کے دماغ کو مستقل کتب خانہ اور متنوع علمی معلومات کا خزانہ بنادیا تھا ان کی گفتگو علمی معلومات سے خالی نہ ہوتی تھی۔ ان کی صحبت سے جو قیمتی معلومات حاصل ہوجاتی تھیں وہ بہت سی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوسکتی تھیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے معلومات کی وسعت اور تحقیق وتنقید کا پورا حق ادا کرتے اور اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑتے۔ مذہبی مباحث سے قطع نظر اور ادب وتاریخ ان کا خاص دائرہ تھا۔ خالص علمی وتاریخی موضوع پر انھوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر مشکل ہی سے اضافہ ہوسکتا ہے''۔۱۰

سید سلیمان ندوی کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ہر دور میں انھیں مقبولیت حاصل تھی چاہے وہ قدیم دور ہو یا جدید۔ حالانکہ ان کی تعلیم وتربیت قدیم طرز کے مطابق ہوئی تھی۔ اور وہ قدیم تعلیم کے نمائندے بھی تھے۔ لیکن پھر بھی وہ جدید افکار وخیالات اور رجحانات اور اس کے طرز طریقوں سے پوری

طرح واقفیت رکھتے تھے۔ اور اس ماحول سے بھڑکتے نہ تھے۔ بلکہ نہایت پُرسکون طریقے سے اسے صحیح راستے پر لگانے کی کوشش کرتے اس لحاظ سے وہ قدیم وجدید کا سنگم تھے۔[۱۱]

غرض علامہ شبلی نعمانی کی وفات نے سید سلیمان ندوی پر گہرے نقوش چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان پر بہت سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوگئیں تھیں۔ خاص طور پر علامہ شبلی نعمانی کی وصیت ان کی سب سی بڑی ذمہ داری تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کام تھے جو کہ ابھی ادھورے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سید سلیمان کی تربیت ہی اس طریقے سے کی تھی کہ علامہ شبلی کے زمانہ حیات میں ہی ایک مسلمان مفکر کی حیثیت سے ان کا شمار طبقہ خاص میں ہونے لگا تھا۔ ان کا انداز و بیان، فکرونظر تحقیقی و تاریخی مزاج، غرض ان کی ہر ایک ادا علامہ شبلی کا نقش ثانی معلوم ہوتا تھا۔ ان کے قلب وذہن میں علامہ شبلی کا عکس اس قدر رچ بس گیا تھا کہ ان کی وفات کے بعد پونہ کالج کی اسسٹنٹ پروفیسری کے عہدہ کو (جو کہ اس وقت ایک عالمی منصب تھا) خیرباد کہہ دیا۔[۱۲]

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے دارالمصنّفین کا جو خاکہ[۱۳] تیار کیا تھا سید سلیمان ندوی نے اپنا سارا کام چھوڑ کر اس کی تعمیر اور اپنے استاد مرحوم کے تمام ادھورے کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا اپنی زندگی کا سب سے اہم مقصد بنالیا تھا۔ جس کے لیے انھوں نے اپنے کالج سے کچھ دن تک تو چھٹی لیتے رہے۔ اور ملازمت سے سبکدوشی کے لیے مناسب حیلے تلاش کرتے رہے۔ اتنی مصروفیت کے باوجود بھی وہ دارالمصنّفین کی خبر رکھتے رہے۔ حسب ضرورت پونہ سے آکر کام دیکھ جاتے۔ بالآخر علامہ شبلی کے عقیدت مندوں اور اپنے احباب کے اصرار پر نومبر ۱۹۱۵ء میں پونہ کالج کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور آستانہ استاد پر آکر قیام پذیر ہوگئے۔[۱۴]

ظاہر ہے دارالمصنّفین کا اتنا بڑا منصوبہ کسی فرد واحد کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شبلی نعمانی کے عقیدت مندوں اور تربیت یافتہ منتخب شخصیات کی ایک جماعت موجود تھی جو علامہ شبلی کے مشن میں دلچسپی لینے کیساتھ ساتھ اسے پورا کرنے کا سلیقہ بھی رکھتی تھی۔ چنانچہ یہ جماعت علامہ شبلی کی وفات کے تیسرے روز ۲۱/نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا حمیدالدین فراہی کی دعوت پر ''اخوان الصفا'' کے نام سے پانچ افراد پر مشتمل ایک مجلس تاسیس قائم ہوئی۔[۱۵]

سید سلیمان ندوی کا شمار اعلیٰ ترین مصنفوں میں ہوتا تھا۔ اور انکے ساتھ معلم اور مؤرخین کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس لیے دارالمصنّفین کا مقصد صرف سیرت کی تکمیل تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ سیرت

کے ساتھ ساتھ دوسرے اہم موضوعات سے متعلق کتابوں کی تصنیف واشاعت اور ایک علمی رسالے کا اجراء بھی ان کا بنیادی مقصد تھا۔ اس رسالے کی اشاعت کے لیے دارالمصنّفین میں خود اپنا ذاتی چھاپے خانے کا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ دارالمصنّفین کے ارکان کی مسلسل کوششوں کے بعد جون ۱۹۱۶ء میں پریس قائم ہوگیا۔ اوراس کے اگلے ہی مہینے جولائی ۱۹۱۶ء میں دارالمصنّفین کے ترجمان کی حیثیت سے ماہنامہ ''معارف'' منظرِعام پرآیا۔[۱۶]

۱۹۱۹ء تک سید سلیمان ندوی کی شخصیت جامع بن چکی تھی۔ مغرب کے لازمی علوم وفنون ندوہ میں انگریزی تعلیم کی تحصیل اور زبان پر دسترس سے لے کر مشرقی علوم وفنون کے انتہائے کمال تک دارالمصنّفین سے پونہ کالج تک سماجی بصیرت سے لے کر سیاسی شعور تک سید سلیمان ندوی کو ایک کامیاب رہنما کی حیثیت سے مقبولیت حاصل تھی۔ ان کے اندر قدیم وجدید کاامتزاج پایا جاتا تھا۔جس طرح دینی مسائل میں علماء ومشائخ کے حلقوں میں سید سلیمان ندوی کو وسعت نظر کے اعتبار سے ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔اسی طرح ان کی تاریخی اوراثری تحقیقات جدید محققین کے حلقوں میں ان کی بڑی قدرومنزلت تھی۔غرض وہ بڑی متنوع اور جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے۔[۱۷]

سید سلیمان ندوی کی سیاسی سرگرمیاں:

سید سلیمان ندوی کسی بھی زمانے میں یا دور میں کتنی ہی معمولی یا غیر معمولی سیاسی شخصیت کے حامل رہے ہوں لیکن ان کی سیاسی بصیرت اس وقت قابل تحسین ہوجاتی ہیں جب ان کی سیاسی باتیں اور دوررس نگاہوں نے ترکی سے متعلق انگریزوں کے رویوں کو بھانپ لیا تھا۔ انگریزوں سے مکمل آزادی کا مطالبہ سب سے پہلے سید سلیمان ندوی نے ہی قوم کے سامنے پیش کیا تھا۔ان کو پورا یقین تھا کہ اس کے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔اور نہ ہی مسلمان دنیائے اسلام کے لیے کچھ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اگست کے اخیر میں مولوی عبدالباری صاحب کے نام ایک خط میں طویل پس منظر تمہید کے طور پر پیش کیا اور پھر عام ہندوستانی اورمسلمانوں کے لیے اپنا آزادی کا پیغام بھیج کر بات کا سلسلہ منقطع کردیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمان خود نصف صدی تک ہندوستان کی پالیٹکس سے الگ رہے۔ اور بے فائدہ ہندوستان کے باہر کوہ وبیابان ،بحروبر اورصحرا اورریگستانوں میں آوارہ پھرتے رہے۔ حالاں کہ منزلِ مقصود خودان کا گھر تھا۔ اگر ان کا ہاتھ خودان کے گھر میں مضبوط ہوتے تو

گھر سے باہر بھی ان کی آواز کی قوت ہوتی۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ ہندوستان اور ہندوستانی ہونا ہندوستان سے باہر کسی ذلت آمیز تخیل کو پیدا کرتا ہے اس ذلت آمیز تخیل کے ساتھ بڑے سے بڑا دعویٰ جو اس کے منہ سے نکلتا ہے وہ اس کے منہ پر کہاں تک کھلتا ہے لوگ ہم سے کہتے ہیں اور ہم شرمندگی سے اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ تم جو اس زورِ قوت کے ساتھ دنیا کی دوسری قوموں کو آزاد کرنا چاہتے ہو پہلے تو تم خود آزاد بن لو۔ کیوں کہ تم جن لوگوں کو آزاد دیکھنا چاہتے ہو ان کی گرفتاری کے حقیقی سبب بھی تم ہی ہو جو خود تمہاری تلواروں کا مقتول ہو اس کے سرہانے تم اب ماتم کیوں کرتے ہو''۔۱۸

سید سلیمان ندوی خالص مذہبی شخصیت کے حامل تھے۔ اور ان کا سیاسی شعار مسلمانوں کی حمایت کرتا تھا۔ اسلئے سیاست میں ان کی شرکت اکثر مواقع پر مذہب کے نمائندگی کی حیثیت سے ہوئی ہے۔ سید سلیمان ندوی کا تحریک خلافت اور جمیۃ العلماء میں شرکت، انگلستان، حجاز کا سفر، اور پھر موتمر میں شرکت مذہبی بنیاد پر ہی تھی۔

سید سلیمان ندوی ہندوستان میں قومی مسائل کے ساتھ ساتھ مسلم یونیورسٹی کا بھی خیال رکھا۔ ان کا دائرہ صرف آزادی تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کو مذہبیت کی طرف بھی راغب کرر ہے تھے۔ اس زمانے کے ان کے بہت سے ایسے رسالے اور سیاسی مضامین ہیں جو اسی بات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ سید سلیمان ندوی صرف تنہا شخص نہیں تھے جو سیاست میں پیش پیش رہتے تھے بلکہ اس دور میں ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء تھے تقریباً تمام علماء ہی سیاست میں شریک اور تحریک آزادی کے علمبرداروں میں تھے۔ غرض اس دور میں مذہبیت اور سیاست دو الگ الگ چیزیں نہیں رہ گئی تھیں بلکہ لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ سیاست سید سلیمان ندوی کے علمی کاموں میں رکاوٹ ہونے کے بجائے معاون و مددگار ثابت ہوئیں۔۱۹

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیفات میں محنت وجستجو، تلاش وتحقیق اور علمی بصیرت ودیدہ وری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے اس بناء پر ان کی تر وتازگی ہمیشہ رہے گی اور محققین ومؤرخین اور علماء برابر ان سے فیض یاب ہوتے رہیں گے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے رہیں گے۔۲۰

دارالمصنفین میں اشاعتی کاموں کے دوران اپنی مختصر تصنیف ''حیات امام مالک'' شائع کی ۔ یہ ان کی

کوئی مکمل تصنیف نہیں ہے بلکہ اس میں وہ مضامین ہیں جو انھوں نے الندوہ میں طالب علمی کے زمانے میں لکھی تھی۔ اس کتاب میں انھوں نے امام مالک سے جو اپنی عقیدت ومحبت کا برملا اظہار کیا ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ وہ مالکی مسلک کے پیرو ہوگئے ہیں مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ آخری وقت تک حنفی ہی رہے۔ یہ ان کی فراخ دلی تھی کہ دوسرے مسلک کے ائمہ کی خوبیوں کا بھی برابر اعتراف کرتے رہے۔ امام مالک سے سید سلیمان ندوی کو عقیدت اس بنا پر ہوئی کہ وہ فقیہ مدینۃ الرسول، امام دارالہجرۃ اور بانی اول فن حدیث تھے۔ سید سلیمان ندوی کو مؤطا سے اتنی انسیت تھی کہ اس پر ایک مضمون لکھنا شروع کیا لکھتے لکھتے اتنا وسیع ہوگیا کہ وہ ایک کتابی شکل اختیار کرگیا۔ [۲۱]

سید سلیمان ندوی کی علمی بصیرت:

سید سلیمان ندوی نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان تصنیفی سرگرمیوں کے باوجود بھی انھوں نے معارف میں اپنے قیمتی ومفید مضامین کے ذریعے لوگوں سے قلمی جہاد کرتے رہے۔ مثلاً انگریزی اسٹیسٹمین میں واقعہ کربلا پر ایک قابل اعتراض مضمون نکلا جس کے خلاف سید سلیمان ندوی نے احتجاج کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں ڈاکٹر وائل کی کتاب ''تاریخ اقوام اسلامیہ'' اور ڈاکٹر نکلسن کی ''تاریخ ادبیات عربی'' جب شامل ہوئی تو سید صاحب وہاں کے ارباب علم کو ان کتابوں کی طرف توجہ دلائی کہ ان دونوں کتابوں میں اسلام، اور پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کے متعلق نہایت لغو اعتراضات اور گمراہ کن نظریات ہیں جو مسلمان کے لیے باعث شرمناک ہے۔ سید سلیمان ندوی کے اس احتجاج پر یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے نصاب سے خارج کردی گئی۔ اسی طرح جب رسالہ نگار، لکھنؤ نے مذہب پر دلآزار مضامین لکھے تو اس کے خلاف بھی انھوں نے آواز اٹھائی جس کی بناء پر ایڈیٹر نگار کو معافی نامہ لکھنا پڑا۔ [۲۲]

برید فرنگ:

یہ سید سلیمان ندوی کی کوئی علمی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کے ان سیاسی خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اس زمانے میں لکھے جب وہ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے ساتھ لندن گئے۔ سید سلیمان ندوی خالصتاً علمی آدمی تھے۔ انھیں سیاست سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ سیاست میں خود نہیں آئے تھے بلکہ لایا گیا تھا۔ وہ اپنے معاصرین کے اصرار پر سیاست میں تو آجاتے لیکن پھر وہ واپس اپنے علمی کاموں میں مشغول ہوجاتے۔ زیادہ تر مولانا محمد علی جوہر کی ایماء وخواہش کی خاطر سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے ذاتی اخلاق ان کی صداقت اور حق

گوئی سے کافی متاثر رہے۔سید سلیمان ندوی کا یہ خیال کہ جدید تعلیم یافتوں کی سیاسی جدوجہد کو مذہبی تحریک بنا دینا ان ہی کا کارنامہ ہے۔۲۳

سید صاحب سیاست میں مولانا حسرت موہانی کے کردار کو بہت پسند کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے شروع سے آخر تک جو اصول بنایا تھا اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آنے دی۔ان کو یہ کہہ کر اپنا خراج عقیدت پیش کیا کہ اس عہد پُر فریب میں ان سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرنیں نہیں چمکیں'۔۲۴

☆☆☆

حواشی

۱ دارالمصنفین کی تاریخ اور علمی خدمات (حصہ اول)، پروفیسر خورشید نعمانی ردولی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، ۲۰۰۳ء، ص:۶۳ ۲ ایضاً، ص:۶۳۔۶۴ ۳ ایضاً، ص:۶۴

۴ معارف سلیمان نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، معارف، شبلی اکیڈمی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۵ء، ص۱۳

۵ دارالمصنفین کی تاریخ اور علمی خدمات (حصہ اول)، پروفیسر خورشید نعمانی ردولی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، ۲۰۰۳ء، ص:۶۴ ۶ ایضاً، ص:۶۵

۷ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، مکتوب ۲۱، اقبال نامہ بنام سید سلیمان ندوی، شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۵۱ء، دسمبر ۱۹۲۰ء،

۸ معارف سلیمان نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، معارف، شبلی اکیڈمی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۵ء، ص۱۷

۹ علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی، مؤلفہ: طاہر تونسوی، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص:۱۹

۱۰ حیات سلیمان، از مولانا شاہ معین الدین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۳۹۳ھ، ۱۹۷۳ء، ص۶۴

۱۱ ایضاً، ص:۶۸

۱۲ سید سلیمان ندوی حیات اور ادبی کارنامے، ڈاکٹر محمد ہاشم، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء، ص:۱۰۳

۱۳ شبلی نعمانی تعمیر کا کام شروع ہونے سے صرف دو ماہ بعد ہی اپنا پورا خاکہ چھوڑ کر وفات پاگئے تھے جس کی تکمیل بعد میں ہوئی۔

۱۴ سید سلیمان ندوی حیات اور ادبی کارنامے، ڈاکٹر محمد ہاشم، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء، ص:۱۰۴

۱۵ انہی اسباب کی بنا پر ضلع پٹنہ کے باشندے (سید صاحب) نے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر اعظم گڑھ میں رہائش کر لی اور زندگی کے ۳۵ سال وہاں بسر کیے۔

۱۶ سید سلیمان ندوی حیات اور ادبی کارنامے، ڈاکٹر محمد ہاشم، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء، ص:۱۰۷

۱۷ ایضاً، ص:۱۱۵ ۱۸ ایضاً، ص:۱۱۹ ۱۹ ایضاً، ص:۱۳۰۔۱۳۱

۲۰ مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف (ایک مطالعہ)، ج۱، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، در مطبع معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع گردید ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، دیباچہ ۲۱ ایضاً، ص:۷

۲۲ معارف سلیمان نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، معارف، شبلی اکیڈمی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۵ء، ص۲۴۔۲۵

۲۳ یادرفتگاں، سید سلیمان ندوی، ج:۱، معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ص:۵۶۔۵۷

۲۴ ایضاً، ص:۴۲۷۔۴۴۰

مفتی محمد راشد ڈسکوی *

محرم الحرام کا مہینہ

(شرعی حیثیت، احکامات، سوگ کا حکم، شادی کا حکم)

نئے ہجری سال کی ابتداء

''زمانہ'' مدینہ منورہ کے طرف ہجرتِ نبوی ﷺ سے لے کر اب تک ایک صدی اور چار سو پینتیس سال کا سفر طے کر چکا ہے، چودہ سو چھتیسواں سال شروع ہو چکا ہے، محرم الحرام اسلامی تقویم ہجری کا پہلا مہینہ ہے، کتنے ہی پڑھے لکھے، دیندار لوگ ایسے ہیں، جنہیں اسلامی تقویم کا علم ہی نہیں، ان سے اسلامی مہینوں کے نام معلوم کر لیں وہ آپ کو نہیں سنا سکیں گے، ان سے روزانہ کی اسلامی تاریخ معلوم کی جائے تو وہ نہیں بتلا پائیں گے، جب کہ اس کے برخلاف شمسی تقویم، اس کے مہینوں کے نام اور تاریخ ہر کسی کو معلوم ہوتی ہے۔ کسی بھی دن کسی سے بھی پوچھ لیں کہ آج کیا تاریخ ہے تو فورا بتا دیں گے، جب جب شمسی سال کے پہلے مہینے جنوری کی ابتدا ہوتی ہے تو ''نیوائیر نائٹ'' پر وہ خوشیاں بھی مناتے ہیں، خوب ہلّہ غلّہ کرتے ہیں، گویا اس طریقے سے وہ نئے سال کا آغاز کرتے ہیں؛ اس مقام پر ہم نے غور وفکر یہ کرنا ہے کہ ''نیو ائیر'' کی اس طرز پر ابتدا ہم نے کہاں سے لی؟! ہمارے لیے تو ''نیو''نیوائیر'' کی ابتداء محرم الحرام کے بابرکت مہینہ سے شروع ہوتی ہے، اور چونکہ ہم مسلمان زندگی گزارنے کے طور طریقوں کے معاملے میں مستقل ایک کامل تہذیب کا مالک ہیں اس لیے ہمیں اپنی زندگی کی راہ ورسم میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھکاری پن اختیار کرنا مسلمان کی مسلمانیت کے خلاف ہے ہمیں کسی کے در پر جھکنے کی ضرورت ہی کیا ہے، ہم تو خود ساری دنیا کو تہذیب وشائستگی کے آداب وطریقے سکھانے والے ہیں۔

نئے مہینے کے استقبال کا اسلامی طریقہ

تو ''نئے سال'' کی ابتداء ہو یا ''نئے مہینے'' کی، شریعت میں جب بھی یہ (''نئے سال'' یا ''نئے مہینے'' کا) لفظ بولا جائے گا اس سے مراد اسلامی مہینہ ہی ہوگا نہ کہ شمسی مہینہ، چنانچہ اس مہینے کی ابتداء کا

* رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

مسنون طریقہ شریعت کی طرف سے صرف یہ سامنے آتا ہے کہ مہینے کے اختتام پر نئے مہینے کے چاند کو دیکھنے کا اہتمام کیا جائے، یہ عمل مسنون ہے، اور جب چاند نظر آجائے تو نیا چاند دیکھنے کی دعا بھی پڑھی جائے، یہ بھی مسنون ہے، اس مسنون طریقے کے ہی اپنانے میں اور دعاؤں کا اہتمام کرنے میں برکت، حفاظت اور ثواب ہے، ہمیں فضول قسم کی رسومات اور خرافات سے بچتے ہوئے اسی کا اہتمام کر کے سچے مسلمان اور محبّ النبی ﷺ ہونے کا ثبوت دینا چاہئے؛ امام ابن السنی نے مہینہ کی ابتداء کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وعادت شریفہ کا یوں ذکر فرمایا ہے:

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا رأى الهلال قال:"اللهم اجعله هلال يمنٍ و بركةٍ". (عمل اليوم والليلة لابن السني، ص:٥٩٦، رقم الحديث: ٦٤١، مكتبة الشيخ، كراتشي)

''حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو یوں دعا مانگتے: اے اللہ! ہمارے لیے اس چاند کو خیر و برکت والا بنادے۔''

نیا چاند دیکھتے وقت کی مسنون دعا

ایک دوسری روایت میں اس وقت یہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے:

"اللهم أَهِلَّه علينا باليُمْنِ والإِيْمَانِ والسَّلامَةِ والإِسلامِ، ربِّيْ ورَبُّكَ الله".(مسند أحمد بن حنبل، مسند أبي محمد طلحه بن عبيد الله، رقم الحديث: ١٣٩٧، ١٧٩/٢، دارالحديث، القاهرة)

'' اے اللہ! اس پہلی رات کے چاند کو امن وسلامتی اور ایمان واسلام کے ساتھ ہم پر طلوع فرما، (اے چاند) میرا اور تمہارا رب اللہ تعالی ہی ہے''

ہمیں بھی مہینے کی ابتداء اُسی طرح کرنی چاہیے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا؛ تاکہ برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوں؛ چہ جائیکہ! ہم رسوم و بدعات اور نوحہ خوانی سے ابتداء کریں۔

اسلامی کیلنڈر استعمال کرنے کی اہمیت

دوسری بات یہ کہ ہمیں چاہیے ہم اسلامی تقویم ہجری کے استعمال کی عادت ڈالیں، اپنے روزمرہ کے استعمال میں اس تقویم کو سامنے رکھیں، اگر چہ! دوسری تقویمات، تاریخوں اور کلینڈروں کا استعمال گناہ نہیں ہے، شرعاً اس کے اختیار کرنے میں بھی ممانعت نہیں ہے، لیکن شمسی تقویم کا ایسا استعمال کہ ہم اسلامی

تقویم کو بالکلیہ بھلا ہی بیٹھیں، یہ کسی طرح درست نہیں ، اس لیے کہ اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے اوراس کے استعمال میں ثواب ہے، جس سے محروم نہیں ہونا چاہیے، نیز! اپنی شناخت اور اپنے امتیاز کو باقی رکھنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں اس کی بہتر شکل یہ ہے ہم قمری تاریخ کے استعمال کو ترجیحی بنیادوں پر دوسری تقویم کے مقابلے میں استعمال کریں، خدا نخواستہ اگر سب مسلمان اسلامی تقویم ہجری کو چھوڑ بیٹھیں اور بھلا دیں تو سب کے سب اللہ کے مجرم ٹھہریں گے، اس لیے کہ اسلام کی بہت ساری عبادات کا تعلق وربط اسی تقویم کے ساتھ ہے، حضرت حکیم الأمت رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں رقمطراز ہیں:

''...... البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حسابِ قمری پر ہے، اس لیے اس کی حفاظت ''فرض علی الکفایہ'' ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے، جس سے حسابِ قمری ضائع ہوجاوے ؛ (تو) سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے؛ لیکن خلافِ سنتِ سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اُس کے فرض کفایہ ہونے کے لابدّ افضل واحسن ہے''۔

(بیان القرآن، سورۃ التوبۃ: ۳۶، ۳/۱۳۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اسلامی سال کے اس پہلے مہینے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہے، یہ عظمت والے مہینوں میں سے ہے، تاریخی روایات کے مطابق اس مہینے میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے، احکامات کے اعتبار سے صحیح اور مستند احادیث سے جو امور سامنے آتے ہیں وہ صرف دو ہیں:

ماہِ محرم الحرام میں پہلا حکم

اس ماہِ مبارک میں مطلقاً کسی بھی دن روزہ رکھنا رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ شمار ہوتا ہے، نیز! نو اور دس محرم یا دس اور گیارہ محرم کا روزہ رکھنا اور بھی زیادہ فضیلت کی چیز ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں وارد ہے:

"افضل الصّيام بعد رمضان، شهر الله المحرم، وافضل الصّلاة بعد الفريضة صلوة الليل".

(صحيح مسلم، كتاب الصوم، باب فضل صوم المحرم، رقم الحديث: ٢٠٢)

''رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں ، اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"حين صام رسول الله ﷺ يوم عاشوراء، وأمر بصيامه، قالوا: يا رسول الله! إنه يوم تُعظِّمه اليهود والنصارى؟ فقال رسول الله ﷺ: "فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صُمنا اليوم التاسع، قال: فلم يأت العام المقبل، حتى توفى رسول الله ﷺ".

(صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب: أيّ يوم يصام في عاشوراء؟، رقم الحديث: ١١٣٤، ٧٩٧/٢، دار الكتب العلمية)

"جب حضرت رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن خود روزہ رکھا، اور حضرات صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا؛ تو اِس پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول! اس دن کی تو یہود ونصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں؟ (غالباً یہ عرض کرنا مقصود ہوگا کہ روزہ رکھ کر تو ہم نے بھی اس دن کی تعظیم کی، گویا ہم ایک عمل میں ان کی مشابہت اختیار کرنے لگے)، تو اِس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے"۔ (اس طرح سے مشابہت کا شبہ باقی نہیں رہے گا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔"

اسی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں: کہ صرف عاشوراء کا روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس کے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی ملا لیا جائے؛ تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت سے بچ سکیں، اس نبوی تعلیم سے یہ بات سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ کسی کارِ خیر میں بھی یہود سے مشابہت یا موافقت کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا؛ چہ جائیکہ! دوسری عادات یا معاملات میں ان سے مشابہت کو قبول کرلیا جائے!

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش بھی زمانہ جاہلیت میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے،

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: كانت قريش تصوم عاشوراء في الجاهلية، وكان رسول الله ﷺ يصومه، فلما هاجر إلى المدينة صامه وأمر بصيامه، فلما فرض شهر رمضان، قال: من شاء صامه، ومن شاء تركه". (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صوم عاشوراء، رقم الحديث: ١١٢٥، ٧٩٢/٢، دار الكتب العلمية)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش روزہ رکھتے تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ بھی روزہ رکھتے تھے، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ منورہ

کی طرف ہجرت فرمائی، تو وہاں بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، پھر جب ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے کی فرضیت کا حکم آیا، تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اختیار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے، جو چاہے نہ رکھے''۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے قبل بھی حضور ﷺ کی اپنی عادت شریفہ روزہ رکھنے کی تھی اور ہجرت کے بعد دوسروں کو بھی تاکید فرمائی تھی۔

ماہِ محرم الحرام میں دوسرا حکم

عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے یا کسی بھی اعتبار سے وسعت کرنا، اس کی خاص فضیلت وارد ہے؛ چنانچہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من وسَّع على عياله في يوم عاشوراء، وسع الله عليه السنة كلها".(شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، صوم التاسع والعاشر: ٣/٣٦٥)

جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں وسعت، فراخی کرے گا، اللہ تعالی سارا سال اس پر (رزق) میں وسعت فرمائے گا''

اگرچہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر کلام ہے؛ مگر محدثین کی تصریحات کے مطابق ایسی روایات جو مختلف طرق سے مروی ہوں، انکی مختلف اسناد کی وجہ سے ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے؛ اسلئے اس کو فضائل میں بیان کرنے پر کوئی بڑا اشکال باقی نہیں رہتا۔ امام بیہقیؒ اس مضمون کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة، فهي إذا ضم بعضها إلى بعض، اخذت قوة. والله اعلم". (شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، صوم التاسع والعاشر: ٣/٣٦٥)

یعنی: اگرچہ ان روایات کی سندوں میں ضعف ہے، لیکن ان میں مجموعی طور پر اتنی بات ضرور پائی جاتی ہے کہ ان اسانید کو ملا لیا جائے تو قوّت کی شکل بن جاتی ہے''۔

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب ''المقاصد الحسنۃ'' میں اسی بات کو اختیار کیا ہے۔(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ١١٩١، ص: ٤٩٤)

ماہِ محرم سے متعلق دو موضوع احادیث

روافض اور اہل بدعت کی طرف سے اس ماہِ مبارک میں کچھ موضوع اور منگھڑت روایات بھی علی الاعلان بیان کی جاتیں ہیں اور ان کا خوب چرچا کیا جاتا ہے، حالانکہ احادیث نبویہ ﷺ میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرنا جو آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائی، بہت بڑا جرم ہے، ایسے شخص کے لیے جہنم کی وعید ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من كذب عليّ متعمدًا فليتبوء مقعده من النار".(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الاحاديث المشتهرة على الألسنة، باب: تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، رقم الحديث:١٠٧٣، دارالكتب العلمية)

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

اس لیے اس ''جرم'' کے ارتکاب سے باز رہنا بہت ضروری ہے، ان منگھڑت روایات میں سے ایک یہ ہے:

"ما من عبد يبكي يوم قتل الحسين، إلا كان يوم القيامة مع أولى العزم من الرسل".(عمل اليوم والليلة لابن السني، ص: ٥٩٦، رقم الحديث: ٦٤١،مكتبة الشيخ، كراتشي)

''جو شخص بھی شہادت حسین کے دن (انکے غم میں) روئے گا، قیامت کے دن وہ اولوالعزم رسولوں کے ساتھ ہوگا''۔

اور ایک دوسری روایت یہ ہے:

''من صام تسعة أيام من أول المحرم بنى الله له قبة في الهواء ميلا في ميل لها أربعة أبواب".(عمل اليوم والليلة لابن السني، ص: ٥٩٦، رقم الحديث: ٦٤١،مكتبة الشيخ، كراتشي)

''جس نے پہلی محرم سے نو دن کے روزے رکھے، اللہ اس کے لیے ہوا میں ایک خیمہ بنائیں گے، جو ایک میل چوڑا اور ایک میل لمبا ہوگا اور اس کے چار دروازے ہوں گے''۔

واضح رہے کہ ان جیسی بے بنیاد اور جھوٹی روایات کو بیان کرنا یا ان پر یقین کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے اس لیے ان اور ان جیسی بہت سی روایات اور افسانوی باتیں جو محرم الحرام کے آتے ہی عام کی جاتی ہیں کہ جن کی کوئی فنی شہادت اور ثبوت نہیں ہوتا ان سے پورے اہتمام سے نہ صرف بچا جائے بلکہ ان کے بیان

کرنے والے کے اس بیان کو رد کرنے کی بھی از حد ضرورت ہے۔

محرم الحرام میں سوگ کرنے کا حکم

ایک اور چیز جس کا رواج عام طور پر بہت زیادہ ہو چکا ہے کہ یہ مہینہ غم کا مہینہ ہے، اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بیدردی سے شہید کر دیا گیا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، سوچنا تو یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہنمائی ملتی ہے؟؟!!

اس بارے میں سب سے پہلے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا ایک قول ملاحظہ کرتے ہیں:

''فكل مسلمٍ ينبغي له أن يُحزنه هذا الذي وقع من قتله رضي الله عنه، فإنه من سادات المسلمين وعلماء الصحابة، وابن بنت رسول الله ﷺ التي هي أفضل بناته، وقد كان عابداً وشجاعاً وسخيا، ولكن لا يحسُنُ ما يفعله الشيعة من إظهار الجزَع والحُزن الذي لعل أكثره تصنُّع ورياءٌ، وقد كان أبوه أفضل منه، وهم لا يتخذون مقتله مأتَماً كيوم مقتل الحسين، فإن أباه قتل يوم الجمعة وهو خارج إلى صلاة الفجر في السابع عشر من رمضان سنة أربعين، وكذالك عثمان كان أفضل من علي، عند أهل السنة والجماعة، وقد قتل وهو محصور في داره في أيام التشريق من شهر ذي الحجة سنة ست وثلاثين، وقد ذُبح من الوريد إلى الوريد، ولم يتخذِ الناسُ يوم مقتله مأتما، وكذالك عمر بن الخطاب، وهو أفضل من عثمان وعلي، قتل وهو قائم يصلي في المحراب صلاة الفجر، وهو يقرأ القرآن، ولم يتخذ الناس يوم مقتله مأتما، ورسول الله ﷺ سيد ولد آدم في الدنيا والآخرة، وقد قبضه الله إليه كما مات الأنبياء قبله، ولم يتخذِ أحد يوم موته مأتما يفعلون فيه ما يفعله هؤلآء الجهلة من الرافضة يوم مصرع الحسين من الأمور المتقدمة، مثل كسوف الشمس والحمرة التي تطلع في السمآء وغير ذٰلك''.(البداية والنهاية، سنة إحدى وستين، فصل: في الإخبار بمقتل الحسين بن علي رضي الله عنه، ١١/٥٧٩،دار الهجر للطباعة والنشر والتوزيع)

''ہر مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

غمگین کر دے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے سردار اور اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، آپ جناب رسول اللہ ﷺ کی سب سے افضل لختِ جگر کے بیٹے، یعنی: آپ ﷺ کی نواسے تھے، آپ عبادت کرنے والے، بڑے بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے، لیکن آپ کی شہادت پر شیعہ جس انداز سے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں، وہ کسی صورت میں مناسب نہیں ہے، بلکہ ان کی یہ حرکات بناوٹی اور ریاکاری سے تعلق رکھتی ہیں، آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) آپ سے زیادہ افضل تھے، اُن کو چالیس ہجری، سترہ رمضان، جمعہ کے دن، جب کہ وہ اپنے گھر سے نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، شہید کر دیا، لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کو اس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، جنہیں چھیالیس ہجری، عید الاضحیٰ کے دن انہی کے گھر میں شہید کر دیا گیا، لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کو بھی اس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جن کو مسجد کے محراب میں نماز کی حالت میں جب کہ وہ قراءت کر رہے تھے، شہید کر دیا گیا، لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کو اس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ان تینوں حضرات سے افضل تھے، لیکن شیعہ ان کی وفات کے دن اس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اور جناب نبی اکرم ﷺ جو دنیا وآخرت میں بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی وفات کے دن بھی یہ شیعہ اس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح یہ جاہل رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کرتے ہیں''۔

اس قول کو ملاحظہ کرنے سے روافض کے ڈرامے اور ڈھونگ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ''شہادت'' کا مرتبہ خوشی کا ہے یا غم اور سوگ کا ؟؟!! تعلیماتِ نبویہ ﷺ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہاء سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصولِ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے، (صحیح البخاری، کتاب فضائل مدینه، باب كراهية النبي ﷺ أن تعرى المدينة، رقم الحديث: ۱۸۹۰، ۲۳/۳، دارطوق النجاة)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے، لیکن اللہ کی شان انہیں شہادت نہ مل سکی، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ (البدایه والنهایه، سنة احدی وعشرین، ذکر من توفی احدی وعشرین: ۱۱٤/۷، مکتبة المعارف، بیروت)

جناب رسول اللہ ﷺ کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں“

(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب: فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، رقم الحديث: ٤٩٦٧)

الغرض یہاں تو صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت کا جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل تو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں بتلایا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا دن ہے جس میں کسی نہ کسی صحابیِ رسول کی شہادت نہ ہوئی ہو، کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت مل جائے گی، جس کا مقتضی یہ ہے کہ اس دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے، نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی ﷺ کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی، لیکن کیا ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بطور یادگار کے منایا؟؟!! نہیں؛ بالکل نہیں، تو پھر کیا ہم اپنے نبی ﷺ سے زیادہ

غم محسوس کرنے والے ہیں؟؟!!خدارا ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی شیطانی اور گمراہ کن رسومات واہمات سے بچانے کی مکمل کوشش کریں۔

شرعاً سوگ کرنے کا حکم

شرعاً سوگ کرنے کی صرف چند صورتیں ہیں اور وہ بھی عورتوں کیلئے : (۱)مطلقہ بائنہ کے لیے صرف زمانہ عدت میں، (۲) جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے، اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں، (۳) کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر صرف تین دن۔اس کے علاوہ کسی بھی موقعہ پر عورت کے لیے سوگ کرنا جائز نہیں ہے، اور سوگ کا مطلب یا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس عرصہ میں زیب وزینت اور بناؤ سنگھار نہ کرے، زینت کی کسی بھی صورت کو اختیار نہ کرے، مثلاً: خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، مہندی لگانا اور رنگ برنگے خوشنما کپڑے وغیرہ پہننا، اس کے علاوہ کوئی صورت اپنانا مثلاً: اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس پہننا یا بلند آواز سے آہ وبکا اور سیاہ لباس وغیرہ پہننا جائز نہیں۔نیز! مردوں کے لیے تو کسی صورت میں سوگ کی اجازت نہیں ہے تو پھر محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی سوگ اور ماتم کے نام پر عملی طور پر یرغمال بنالینا کیا معنی رکھتا ہے؟؟!!

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں میں شادی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے، بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی اسی ماہِ مبارک میں ہوئی (ملاحظہ ہو: تاريخ مدينة الدمشق لابن عساكر، باب ذكر بنيه وبناته عليه الصلاة والسلام وأزواجه: ١٢٨/٣، دار الفكر،، تاريخ الرسل والملوك للطبري، ذكر ما كان من الأمور في السنة الثانية، غزوة ذات العشيرة، ٤١٠/٢، دار المعارف بمصر)

اس مہینے میں شادی نہ ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس مہینے میں نحوست ہے جب کہ شرعاً یہ بات بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے، بلکہ یہ عقیدہ یا ذہن رکھنا ہی گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی دن یا زمانے میں کسی قسم کی نحوست نہیں رکھی گئی۔اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

> (الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے

زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

"لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر إن تحد علی میت فوق ثلث لیال إلا علٰی زوج أربعة أشھر وعشراً".

"جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے" (بخاري، باب: تحد المتوفی عنھا أربعة أشھر وعشراً إلخ، ص: ٨٠٣، ج:٢، پ:٢٢)، (صحیح مسلم، باب: وجوب الإحداد في عدة الوفات، إلخ، ص: ٤٩٦، ج:١)، (مشکوٰة، باب العدة، الفصل الأول، ص: ٢٨٨)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنا نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو، اعتقاداً وعملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں، ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

"مالابد منہ" میں ہے: "مسلم ترا تشبہ بہ کفار وفساق حرام ہے۔" یعنی: مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔ (ص:١٣١)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ ٢: ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ ٣: ماہِ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص: ٩٠، ج:١) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاوی رحیمیہ، کتاب البدعة والسنة، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ ١١٥/٢، دارالاشاعت، کراچی)

اسی طرح فتاوی حقانیہ (کتاب البدعة والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ٩٦/٢، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے، آمین

(۱۷) مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

فضلائے حقانیہ کی تالیفی اور تصنیفی خدمات

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی، فضلاء حقانیہ کے علمی، ادبی، تحریری، تصنیفی اور تالیفی خدمات پر کام کر رہے ہیں۔ علم و ادب، تحریر، تصنیف اور تالیف سے شغف رکھنے والے تمام فضلاء حقانیہ سے درخواست ہے کہ اپنا مختصر تعارف، خدمات اور تصنیفات و تالیفات کا تعارف مولانا موصوف کے نام بھیجیں تاکہ وہ اس عظیم تاریخی کام کو بہ سہولت آگے بڑھا سکیں۔

رابطہ ایڈریس: مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی، رُکن القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ ----- (ادارہ)

مولانا روح اللہ خلافت یار حقانی

مولانا روح اللہ خلافت یار حقانی افغانستان کے ولایت کابل ولسوالی پغمان قریہ خالداری میں مولانا عتیق اللہ کے ہاں پیدا ہوئے، ابتدائی ثانوی تعلیم خواجہ مسافر لیسہ پغمان میں بارہویں جماعت تک حاصل کی۔

دینی تعلیم:

دینی تعلیم درجہ ثانیہ تک کتب اپنے والد مولانا عتیق اللہ پغمانی سے پڑھیں، دیگر علوم وفنون جلوزئی کیمپ پشاور اور دیگر مدارس میں پڑھیں، موقوف علیہ جامعہ فاروقیہ جلوزئی کیمپ پشاور سے کیا اور دورہ حدیث کیلئے پاکستان کے عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور یہاں کے اکابر و مشائخ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کئے اور 2006ء میں دستارِفضیلت اپنے سر پر سجا کر میدانِ عمل میں قدم رکھا اور اپنے اساتذہ و مادرِعلمی کا نام روشن کرتے ہوئے، علم، دین اور ملت کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

فراغت ودستارفضیلت کے بعد معہد الفقہ والافتاء القضاء اکوڑہ خٹک میں تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا اور مفتی اعظم مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مروت مدظلہ کی سرپرستی میں مطالعہ شرح المجلہ میں مصروف ہیں۔ مولانا روح اللہ خلافت یار حقانی متحرک اور فعال شخصیت ہیں، انہوں نے خود ایک خالص فکری تحریک کی بنیاد بھی رکھی ہے جو تحریک خلافت اسلامی افغانستان کے نام سے مشہور ہے جس کے مقاصد واہداف میں اپنی اصلاح، اپنے گھر کی اصلاح جماعت کی اصلاح، عوام کی اصلاح، حکومت، وطن کی آزادی، اسلامی دعوت پھیلانا، اسلامی خلافت کا احیاء قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کو قانونی شکل دینا، تحریک خلافت اسلامی ایک حنفی المذہب، دیوبندی المسلک تحریک ہے تحریک چاہتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کو ملک میں قانوناً نافذ کرے۔

مولانا روح اللہ خلافت یار حقانی تحریک خلافت اسلامی کے بانی کی حیثیت سے دو مجلّے بھی شائع کرواتے ہیں جو ہر ماہ باقاعدگی سے چھپتے ہیں اور تحریک کی نمائندگی کرتے ہیں، اور تحریک کے شب و روز کیلئے اخبار میں چھاپتے ہیں۔

وا اسلاماہ! :

پشتو زبان میں شائع ہونے والا تحریک خلافت اسلامی کا نمائندہ اور ترجمان مجلّہ ہے، جس میں فکری، علمی اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں، مولانا روح اللہ حقانی چیف ایڈیٹر کی خدمات انجام دے رہے ہیں، بلکہ سارے مضامین مولانا خلافت یار حقانی ہی کے ہوتے ہیں۔

بیداری امت:

تحریک خلافت اسلامی کا ترجمان مجلّہ ''بیداری امت'' ہر ماہ باقاعدگی سے فارسی میں شائع ہوتا ہے، اس کے مدیر بھی مولانا روح اللہ حقانی ہیں۔ ان دو مجلوں کے علاوہ مولانا روح اللہ حقانی نے کئی علمی اور تحقیقی کتابیں بھی لکھی ہیں، تراجم بھی کئے ہیں، ذیل میں مولانا کی تصنیفات، تالیفات اور تراجم کا مختصر تعارف کیا جاتا ہے۔

دتحریک خلافت اسلامی افغانستان تگ لار:

یہ کتاب پشتو زبان میں ہے اور اس میں مولانا نے تحریک خلافت اسلامی افغانستان کے دستور کو بیان کیا ہے۔

دتحریک خلافت اسلامی افغانستان اساس نامہ:

اس کتاب میں مولانا روح اللہ حقانی نے تحریک اسلامی افغانستان کے اساس و بنیاد کے متعلق چند اہم معلومات پشتو زبان میں لکھی ہیں۔

جزاء الاعمال (فارسی ترجمہ):

''جزاء الاعمال'' حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رسالہ ہے۔ مولانا روح اللہ خلافت یار حقانی نے فارسی میں ترجمہ کر کے اسکی افادیت میں اضافہ کیا ہے، کتاب میں اعمال کے جزا و سزا پر زبردست بحث موجود ہے۔

دعوت بسوئے جہاد (فارسی ترجمہ):

حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہ استادالحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی کتاب جہاد کے موضوع پر ایک البیلی کتاب ہے، مولانا روح اللہ حقانی نے اس کتاب کو فارسی میں ترجمہ کر کے دو ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے، مولانا ابھی نوجوان ہیں، فعال اور متحرک ہیں، امید ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح کے علمی، تحقیقی اور فکری خدمات انجام دے کر اساتذہ اور دارالعلوم حقانیہ کا نام روشن کرتے رہیں گے۔

مولانا حامد الحق حقانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

دارالعلوم کے شب و روز

دارالعلوم کی زیر تعمیر مسجد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پر کام تیزی سے جاری:

دارالعلوم کی زیر تعمیر مسجد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پر کام کافی تیزی سے جاری ہے۔ الحمدللہ کھدائی کا کام مکمل ہوگیا ہے اور فائنل نقشوں کے مکمل ہونے کے بعد بنیادوں پر کام زور وشور سے جاری ہے۔ ۱۶۔اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز جمعرات بعد از زوال سیمنٹ، بجری کا کام شروع ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت مہتمم صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، نائب مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ اور دارالعلوم مجذوب بزرگ حضرت مولانا خیرالبشر صاحب مدظلہ ،الحاج مولانا اظہار الحق صاحب ،مولانا راشد الحق صاحب اور دیگر اساتذہ اور طلباء نے اس میں شرکت کی۔ بنیادوں میں آب زمزم اور مدینہ منورہ کی وادی کی خاکِ شفاء، جبل احد کے پتھر، غارِ حرا اور غارِ ثور کے پتھر بطور تبرک وسعادت کے بنیادوں میں اکابرین ومشائخ نے رکھے۔ دارالعلوم کے استاد الحدیث حضرت مفتی سیف اللہ صاحب کے پوتے اور مولانا مفتی ظہور صاحب کے پانچ سالہ صاحبزادے محمد ثانی کے ذریعے اینٹ رکھی گئی۔ بعد میں مہتممین حضرات اور مفتی سیف اللہ صاحب مدظلہ اور مولانا خیرالبشر صاحب مدظلہ نے بھی مصالحہ بنیادوں میں ڈالا اور یوں طویل انتظار وانتظامات اور بار بار کے نقشوں کی تبدیلی کے بعد الحمدللہ مسجد کی تعمیر کا کام زور وشور سے جاری ہوگیا ہے۔ قارئین الحق اور فضلائے حقانیہ سے اس کے لئے اسباب مہیا کرنے اور جلد تکمیل کی دعا کی جاتی ہے۔

مہمانوں کی دارالعلوم آمد:

۲۶ ستمبر ۲۰۱۴ء کو سابق نائب صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور اقبال ادارہ برائے تحقیق و مکالمہ کے سربراہ جناب ڈاکٹر ممتاز احمد دارالعلوم وفد کے ہمراہ تشریف لائے۔ وفد میں پروفیسر ڈاکٹر طالب حسین سیال، اسسٹنٹ ڈائریکٹر محمد اسماعیل، جناب علی طارق، ڈاکٹر محمد اعظم، ڈاکٹر عبدالسلام وغیرہ شامل تھے۔انہوں نے حضرت مہتمم صاحب کے سفر حج پر ہونے کی وجہ سے راقم سمیت مدیر الحق اور بھانجے عمار شفیق کے والد مرحوم شفیق الدین فاروقی کی تعزیت اور دعائے مغفرت کی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا اسفندیار خان کی آمد:

۲۵۔اکتوبر کو جامعہ دارالخیر کراچی کے بانی و مہتمم پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا اسفندیار خان صاحب دارالعلوم تشریف لائے۔حضرت مہتمم سمیت دیگر سے ملاقات کی۔دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات کے معائنے کے ساتھ ساتھ ایوان شریعت ہال میں طلبہ دورہ حدیث سے مختصر فکر انگیز اصلاحی خطاب بھی فرمایا اور خاندان حقانی کے ساتھ مرحوم شفیق الدین فاروقی کی تعزیت بھی کی۔اس موقع پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ایوان شریعت میں حضرت مولانا مدظلہ کا خیر مقدم کیا اور ان کے قابل وفاضل جواں سالہ شہید صاحبزادے مفتی مولانا عثمان یار خان کے لئے مجمع سے دعائے مغفرت بھی کرائی اور انہیں بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔

وزیرداخلہ پنجاب کرنل شجاع خانزادہ کی مہتمم صاحب سے ملاقات:

۲۶۔اکتوبر۲۰۱۴ کو وزیرداخلہ پنجاب کرنل (ر) شجاع خانزادہ نے دارالعلوم میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے ملاقات کی۔ملاقات میں ملک کے عمومی حالات کے علاوہ محرم الحرام میں امن وامان کی صورتحال پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ملاقات میں جمعیۃ کے صوبائی امیر مولانا سید یوسف شاہ اور راقم بھی موجود تھا۔

موٹروے پولیس کا طلبہ سے ٹریفک قواعد پر لیکچر:

۲۷۔اکتوبر کو موٹروے پولیس کے افسران بالا نے دارالعلوم میں طلبہ کو ٹریفک کے قواعد وضوابط اوراحتیاطی تدابیر پر تفصیلی لیکچر دیا اوران کو متعلقہ اصول وقوانین بتائے۔

حضرت مہتمم صاحب کا سفرحج ومصروفیات:

حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۲۳ستمبر کو سعودی حکام کی دعوت پر حج پر تشریف لے کر گئے تھے، آپ کے علاوہ سفر حج پر دارالعلوم کے اساتذہ ،راقم السطور،مولانا مفتی مختار اللہ حقانی، ناظم تعلیمات مولانا وصال احمد،مولانا لقمان الحق حقانی،مولانا عرفان الحق حقانی، مولانا مفتی شیر عالم، مولانا محمد اسرار،مولانا سید احمد شاہ،مولوی اسامہ سمیع،مولوی خزیمہ سمیع نے حج کی سعادت حاصل کی۔

- ۱۹را کتوبر کو مولانا صاحب حسین حقانی اور شاہ حسین حقانی کی شادی کی تقریب میں شرکت کیلئے تخت آباد پشاور تشریف لے گئے۔وہاں پر فاضل دیوبند حضرت مولانا مطلع الانوار سے تفصیلی گفتگو و ملاقات کی۔آپ کے ہمراہ مولانا سید یوسف شاہ صاحب،مولانا راشد الحق صاحب،مولانا عبدالحسیب صاحب اور مولانا لقمان الحق صاحب تھے۔

- ۲۶ر اکتوبر کو شبقدر میں جلسہ دستار بندی میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے۔ وہاں دستار بندی کے بڑے اجتماع سے خطاب بھی فرمایا۔
- ۳۰ر اکتوبر کو پشاور پریس کلب میں شمولیتی تقریب میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے جس میں جناب محمد عارف معاویہ کی قیادت میں سینکڑوں نوجوان جمعیت علماء اسلام میں شامل ہوئے۔ اور مہتمم صاحب نے ملک کی موجودہ صورتحال پر خطاب فرمایا۔

وفیات:

جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے بانی حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ کے داماد اور موجودہ مہتمم مولانا قاری عتیق الرحمٰن، مولانا قاری محمد انس کے بہنوئی حافظ محمد ادریس، ۲۶ر اکتوبر بمطابق یکم محرم الحرام کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ مرحوم عمر بھر جامعہ اسلامیہ کے ناظم دفتر رہے۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنما فاضل دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا حافظ حسین احمد، مہتمم مدرسہ تحفیظ القرآن مردان کے والد گرامی گزشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اکابرین جمعیت اور خصوصاً شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب، مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام راجہ بازار کے قابل و فاضل نوجوان صاحبزادہ مولانا امان اللہ حقانی بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ اسی طرح اہل سنت والجماعۃ کے مرکزی رہنما حضرت مولانا خلیفہ عبدالقیوم بھی طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اس کے علاوہ جمعیۃ علماء اسلام کے مولانا عبدالحیٔ حقانی، امیر جمعیت علماء اسلام وزیرستان کے والد محترم مولانا شیر بہادر صاحب بھی گزشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ اسی طرح جمعیت علماء اسلام اور دارالعلوم حقانیہ کے انتہائی مخلص بزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد عمر خان صاحب بھی طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب لکی مروت تعزیت کیلئے تشریف لے گئے۔ اسی طرح جمعیۃ طلباء اسلام کے انتہائی مخلص اور متحرک ساتھی جناب نوید ارشد بھی انتہائی جوانی میں بجلی کے کرنٹ لگنے سے انتقال کر گئے۔ مرحوم متعدد صلاحیتوں کے حامل انسان تھے، کم عمری میں متعدد علمی جرائد کے مدیر تھے۔ اسی طرح مرحوم حاجی رضا خانؒ کی بیوی، حاجی شریف خان کی ساس اور اسکے بعد بہن کا سانحہ ارتحال پر مہتمم صاحب و نائب مہتمم صاحب تشریف لے گئے۔ اسی طرح ماہنامہ الحق کے مخلص علم دوست جناب اشرف علی صاحب، اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس کی اہلیہ بھی گزشتہ دنوں طویل علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ ادارہ ان تمام حضرات کے پسماندگان کیساتھ دلی تعزیت کرتا ہے اور انکے رفع درجات کیلئے قارئین سے دعاؤں کی اپیل کرتا ہے۔

ادارہ

تعارف وتبصرہ کتب

• شرح صحیح مسلم، ج:۳ .... تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

فاضل شارح مولانا عبدالقیوم حقانی ایک ذی علم، سنجیدہ، فعّال عالم دین اور صالح فکرواہل قلم ہیں محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں آپ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت وصحبت میں بڑا عرصہ رہے حضرت شیخ الحدیث ہی کی تربیت، ان ہی کی توجہ اوران ہی کی محنت نے ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک گمنام گاؤں کے اس یتیم کو جو ہر قابل بنادیا فاضل شارح مولانا عبدالقیوم حقانی نے پوری لگن شوق اور جذبے سے جامعہ حقانیہ میں تعلیم حاصل کی ۔ممتاز طلبہ میں شامل رہے ان کی انفرادیت کے غنچے چٹکنے لگے ذہین، فطین، بلا کا حافظہ، کچھ پانے کا سودا، کچھ حاصل کرنے کا جنون تھا آگے بڑھتے گئے پیچھے مڑکر دیکھنا بھی گوارانہ کیا ۔ ۱۹۷۸ء میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے فارغ ہوئے اور چکوال کے دینی مدارس میں مدرس ہو گئے ۔اوّل دن سے ان کی تدریسی صلاحیتوں کے چرچے شروع ہوئے تو شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے انتخاب ومشورے سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے جامعہ حقانیہ میں بلوالیا ۔ یہاں درسِ نظامی کی متوسط سے ابتدا کی ،اب جامعہ ابوہریرہ میں صحیح بخاری پڑھا رہے ہیں ۔ جامعہ حقانیہ میں بھی طویل زمانے تک پڑھانے کی سعادت حاصل رہی ۔ ہدایہ، جلالین ان کے زیردرس رہیں ۔انہوں نے متنبّی اورحماسہ پڑھانے میں پختگی کا ثبوت دیا۔ فقہ وحدیث، تفسیر وکلام، منطق وفلسفہ، معانی وادب، ہرجگہ شہرتوں اورمحبوبیت نے ان کے قدموں تلے پھول بچھائے آج تک ان کے انداز درس اور طریقہ تدریس نے مقبولیت کا دامن نہیں چھوڑا کسی فن میں عاجزاور نہ کسی کتاب سے متوحش ۔جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے وہ فضلاء جو اپنے علم وعمل صلاحیت اورقبولیت میں شہرت کی منزلوں تک پہنچے ۔ان میں حقانی صاحب کا نام نمایاں ہے پڑھانے کی طرح لکھنا بھی ان کے لیے اتنا ہی سہل ہے ۔ ہرموضوع پر دادقلم دی اور ہرعنوان کو نکھارا۔ان کی تصنیفات وتالیفات کی تعدادایک سو پچاس (۱۵۰) سے زائد ہے اب ان کے ہاں صحیح مسلم کی درسی شرح بنام شرح صحیح مسلم زیرتالیف ہے جس کی تیسری جلد ہمارے سامنے ہے ۔اس میں اولاً حدیث کا متن ہے مع اعراب پھرلفظی ترجمہ بعض الفاظ کی تشریح، راویانِ حدیث کا تذکرہ، لطائف الاسناداورمتعلقہ حدیث کی عبارت کی دلنشین شرح بیان کی گئی ہے حدیث کی عربی عبارتوں کوجدیداردو

کا رنگ دے کر انہوں نے جس سہل انداز سے امت کے سامنے پیش کیا ہے اس نے انہیں حدیث کے شیوخ میں ایک ممتاز مقام پر فائز کردیا ہے زیر نظر شرح صحیح مسلم میں انہوں نے احادیث صحیح مسلم کو جہاں سہل اور آسان انداز میں بیان کیا ہے وہاں ان میں ادبی' چاشنی اور روانی کے ساتھ ساتھ ایک منجھے ہوئے مدرس کے درس کی نمایاں درسی خصوصیات بھی چھلکتی ہیں ۔علمائے دیوبند میں سے پہلی مرتبہ صحیح مسلم کی اتنی ضخیم (تقریبا ۴۰ جلدوں میں مکمل ہوگی) درسی شرح زیر تالیف ہے جسے ہر جگہ اساتذہ حدیث اور طالبانِ علوم حدیث پذیرائی بخش رہے ہیں ۔خدا کرے حقانی صاحب تحریر وتقریر اور تدریس کی دنیا سے اس طرح وابستہ رہیں اور ان کے قابل قدر کارنامے اسی نہج پر سامنے آتے رہیں۔ زیر تبصرہ شرح صحیح مسلم ج:۳ کی ضخامت ۵۸۰ رصفحات پر مشتمل ہے ۔جس میں۷۳ احادیث کی شرح اور ایک سو پچاس (۱۵۰) رواۃ کا متصل تذکرہ آ گیا ہے ۔ قیمت درج نہیں ، القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ خیبر پختونخواہ نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے ۔کاغذ' طباعت اور جلد بندی معیاری ہے ۔ برائے رابطہ: 0346-4010613......0301-3019928 (ابن مدنی)

● **حیات شیخ زبیرؒ**..........مولانا زین العابدین،مولانا انیس احمد مظاہری

کاندھلہ ہندوستان کا وہ عظیم الشان قصبہ ہے جس نے اس صدی میں علم وفضل ،دعوت وتبلیغ،تحقیق و تصنیف،تصوف وارشاد کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت پائی۔ اس خاندان میں مولانا الٰہی بخش کاندھلویؒ، مولانا محمد یحیٰؒ کاندھلویؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور مولانا انعام کاندھلویؒ وغیرہ جیسے اساطین علم اور جامعین شریعت وطریقت پیدا کئے۔اسی قافلہ عزیمت کے آخری شہسوار جناب حضرت مولانا زبیرالحسن کاندھلویؒ تھے، جو قریبی عرصہ میں انتقال فرماگئے۔

مولانا زبیر صاحب مدرسہ کاشف علوم دہلی کے شیخ الحدیث، اوردعوت وتبلیغ کی تحریک کے اہم ذمہ دار اور مرکزی شخصیت تھے۔ زیرتبصرہ کتاب ''حیات شیخ زبیرؒ''ان کے آثار وافکار ،تبلیغی جہدِ مسلسل، افادات وملفوظات اور ان کی وفات پر لکھنے والے تعزیتی مضامین ومقالات ،تاثرات ،مکتوبات اور منظوم خراج عقیدت کا مجموعہ ہے۔جس کو مولانا سید زین العابدین صاحب اور مولانا انیس احمد مظاہری بن پیر طریقت حاجی صغیر احمد صاحب نے انتہائی جانفشانی کیساتھ مرتب کیا ہے جبکہ کتاب پر ہندوستان کے نامور عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے علمی جانشین مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نے نظر ثانی کی ہے۔آٹھ ابواب پر مشتمل یہ تاریخی دستاویز دعوت تبلیغ کی تاریخ،فکری پس منظر اور اکابر کاندھلہ کی جدوجہد کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔۷۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل یہ عظیم مجموعہ مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ اردو بازار لاہور سے 0332-4377502 سے مناسب قیمت میں دستیاب ہے۔(اسرار ابن مدنی)

ماہنامہ ''الرحیم + الولی'' کا اشاریہ

زندگی کا ہر شعبہ چاہے وہ مذہب، تقابل ادیان، میڈیکل، سائنس، کمپیوٹر، ادب، اقبالیات، صنعت وحرفت، طب یعنی کہ ہر شعبۂ حیات میں ایسے ایسے ماہرین اور یگانہ روزگار افراد اس ملک و ملت کو حاصل ہوئے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ لیکن ہمارے ہاں حکومت و عوام دونوں کی طرف سے بہت کم ایسے افراد کی قدر کی جاتی ہے، یہ ایک قومی المیہ ہے۔

علوم کے شعبوں میں نہایت اہم شعبہ تحقیق کا ہے، یعنی آپ کسی بھی کام کو لیں تو اُس پر پہلے تحقیق کرنا ہوتی ہے یا پہلے سے موجود تحقیق سے استفادہ کر کے اگلی تحقیق کی راہ ہموار ہوتی ہے اور اُس کے بعد ہی اُس پر مزید کام ہوتا ہے اور پھر اُس کے نتائج وغیرہ سے زندگی کے معاملات میں مدد لی جاتی ہے۔ جس طرح تحقیق کے بغیر کسی بھی شعبہ میں کام کرنا ممکن نہیں ہوتا، اسی طرح تحقیق کی دُنیا میں اشاریہ اور تحقیق کے بغیر تحقیق کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ یعنی کسی بھی موضوع پر تحقیق کرنے سے قبل اُس موضوع پر پہلے سے موجود تحقیق اور اُس موضوع پر شائع شدہ یا غیر مطبوعہ لوازمہ چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو اُن کو سائنٹیفک انداز میں مرتب کرنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جب تک آپ کو یہ پتا نہ چلے کہ آپ جس موضوع پر کام کر رہے ہیں اُس پر دنیا میں کس کس زبان اور کس کس طرح کا کام ہو چکا ہے آپ کی تحقیق اُدھوری رہے گی۔ ...... تحقیق کے اس اہم ترین لوازمے جس کو لائبریری سائنس کی دُنیا میں اشاریہ و کتابیات کا نام دیا جاتا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں اس موضوع پر کام کرنے والے صرف دو چار افراد ہی ہوں گے۔ لیکن اس میدان میں سب سے زیادہ کام کرنے والا ایک ہی فرد ہے جس کا تعلق پاکستان کے علمی و تاریخی شہر لاہور سے ہے، اُس کا نام محمد شاہد حنیف ہے، مجھے اُن کے کام سے تعارف بہت عرصہ سے ہے، وہ پاکستان کے واحد نوجوان ہیں جنھوں نے تحقیق کے میدان میں اہل علم، محققین اور طالب علموں کی آسانی کے لیے اس موضوع پر اپنی نوعیت کا اتنا کام کیا ہے، جس کی مثال کم از کم برصغیر پاک وہند میں نہیں ملتی۔ وہ صرف ایک دو افراد کے ساتھ پورے ادارے کا کام کرتے نظر آتے ہیں، اُن کے مرتب کردہ اشاریوں کا قدیم و جدید اشاریوں سے موازنہ کرنے پر پتا چلتا ہے کہ موصوف نے اس میدان میں کس قدر علمی و تحقیقی انداز میں قابل قدر کام کیا ہے۔

موصوف پاکستان کے پچاس سے زائد دینی، علمی اور ادبی اداروں کے مجلّاتِ علمیہ کے اشاریے مرتب کر کے اہل علم و قلم سے داد پا چکے ہیں۔ ان اداروں میں صرف چند دینی ادارے ہی

سرفہرست ہیں جنھوں نے اُن کے مرتب کردہ اشاریے اعلیٰ انداز میں شائع کیے ہیں۔ موصوف نے ماہنامہ الحق کا پینتالیس سالہ اشاریہ، ماہنامہ محدث، ماہنامہ ترجمان القرآن، ماہنامہ حق چار یارؓ، ماہنامہ حکمت قرآن، ششماہی علوم القرآن، سہ ماہی پیغام آشنا، مجلّہ الثقافۃ الاسلامیہ، ماہنامہ الولی/الرحیم، ماہنامہ فقہ اسلامی، ماہنامہ القاسم، سہ ماہی اقبالیات ہفت روزہ الاعتصام، ماہنامہ رحیق، ماہنامہ لولاک، ماہنامہ میثاق، سہ ماہی ادبیات، سہ ماہی صحیفہ وغیرہ کے اشاریے مرتب کرنے کے علاوہ کئی ایک موضوعات پر کتابیات مرتب کر کے علمی دنیا میں اپنا نام سنہری حروف میں لکھوا چکے ہیں۔

موصوف کا نیا علمی کارنامہ ماہنامہ الرحیم اور ماہنامہ الولی کے اشاریہ پر مشتمل ہے، جو علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، سندھ یونیورسٹی کے چیئرمین جناب پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم کی خصوصی کاوشوں سے اعلیٰ انداز میں شائع کیا گیا ہے۔ جس پر قاضی صاحب اور یونیورسٹی کے دیگر ذمہ داران مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ماہنامہ ''الرحیم'' جس کا نام بعد ''الولی'' ہوگیا تھا، حیدرآباد کے ایک سرکاری اور علمی ادارے ''شاہ ولی اللہ اکیڈمی'' سے تقریباً ۲۵، ۳۰ سال شائع ہوتا رہا، درمیان میں کئی بار تعطل کا شکار بھی رہا۔ اس رسالے میں پاکستان اور بیرون ملک کے بہت سے جید علماءِ کرام اور اہلِ علم کی تحریریں شائع ہوتی تھیں، لیکن علمی ناقدری کے باعث یہ پرچہ بند ہوگیا تھا۔ لیکن اس علمی مجلّے کا اشاریہ مرتب کر کے جناب شاہد حنیف نے نہ صرف اس رسالے کو زندہ کردیا ہے بلکہ اس میں شائع ہونے والے علمی لوازمے تک اہل علم و محققین کی رسائی بالکل آسان کردی ہے۔ یہ اشاریہ ۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، اعلیٰ کاغذ اور مضبوط جلد کیساتھ شائع کیا گیا ہے۔ (مولانا مجاہد الحسینی)

● نادر اقوال کا نادر مجموعہ .... گل سید نندرک

مطالعہ کی پیاس ایک ایسی پیاس ہے جو کبھی نہیں بجھتی اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو یہ پیاس عطا کر کے ساتھ لکھنے کا ذوق بھی عطا کر دیتا ہے تو وہ نور علی نور بن جاتا ہے۔ گل سید نندرک صاحب بھی اِسی نور کا مصداق ہیں جس پر واضح دلیل آپ کی کتاب 'نادر اقوال کا نادر مجموعہ' ہے موصوف نے ان اقوال کو اپنے مطالعہ کے دوران اخذ کر کے اب اس کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے، زندگی کے تقریباً ہر شعبہ سے متعلق نادر اقوال جمع کر کے شائقین علم کے لئے ایک بے بہا خزینہ پیش کیا، موصوف مصنف کی یہ عظیم پیش کش قابل صد تحسین ہے جسکی محنت عرق ریزی ہی نہیں، ذوق لطیف بھی اس مجموعے کی ترتیب میں جا بجا جلوہ افروز نظر آتی ہے۔ کتاب ۵۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، قیمت ۶۵۰ روپے، ملنے کا پتہ: مکتبہ ایوان شریعت جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ 0333-9193805